قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پاگیا جس نے تزکیہ کرلیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہوگیا

غلام مصطفی

ماہنامہ

المرشد

لاہور

جولائی ۹۴ء

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور ۵۴۷۷۰

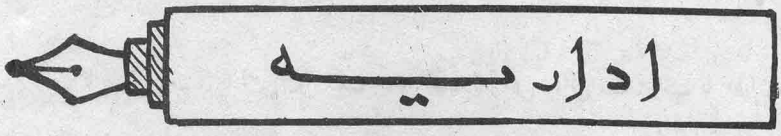

اداریہ

کسی مستند ہستی سے یا کسی ماہرین فن سے سوال پوچھنا' اپنے علم میں اضافہ کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اس طریقے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سالکین تصوف اکثر شیخ المکرم سے سوالات پوچھتے رہتے ہیں اوز ایک عرصہ سے المرشد میں "سوال آپ کا' جواب شیخ المکرم کا" کے عنوان سے سوال و جواب شائع ہوتے رہے۔ ہمارے پاس اتنے سوال اور شیخ المکرم کے جوابات جمع ہو چکے ہیں اگر حسب معمول ہر ماہ چند سوال اور ان کے جواب شائع کرتے جائیں تو ایک طویل مدت درکار ہو گی۔ اور اس دوران ان میں مزید اضافہ ہو چکا ہو گا۔ قارئین کی دلچسپی کی اہمیت کے پیش نظر یہ خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں۔ اس میں پہلے سے شائع شدہ سوال و جواب شامل نہیں ہیں۔ اور بے شمار سوال و جواب اب بھی اشاعت کے انتظار میں ہیں جو انشاء اللہ آئندہ آنے والے شماروں میں شامل ہوتے رہیں گے۔

تاج رحیم

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

کراچی سے ایک بزرگ کا گرامی نامہ پہنچا جس میں ایک سوال تھا۔ پھر اس سوال کے جواب کا مطالبہ بھی تھا۔ سوال یہ تھا کہ سنا ہے پنجاب میں کاغذات مال میں امام مسجد کو "کمیں" لکھا ہوا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیوں ہے؟ اور "کمیں" کا مطلب کیا ہے۔

یہ بحث بڑی نازک ہے اور یہ حادثہ بڑا دردناک ہے۔ مگر اسے منظر عام پر لانا فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔

پہلے سوال کا جواب۔ ایک گاؤں کے 1860ء کے کاغذات مال میں سے ایک ضروری حصے کی نقل حاضر ہے۔

قسم چاکر دیہی	حقوق چاکراں دیہی فصل ربیعہ۔ فصل خریف	خدمات چاکران دیہی۔ نوٹ۔ اس دیہہ میں 3 سیر فی چھا یا ٹوپہ ہوتا ہے۔ گڈی 1 سیر جھولی 3 سیر تا 5 سیر۔
لوہار	غلہ فی ہل 4 چھا 5 گڈی فی ہل یک گڈی بتہ سٹہ کھاری یک۔	آلات کشا ورزی غلہ باتجرہ 4 آہنی چھا جلید کی تیاری اور کہنہ کی مرمت اس کے ذمے ہے۔ لوہار زمیندار اپنی گرہ سے دیتا ہے۔ سوائے چنڈوانے کے اور سب کے لئے کوئلہ زمیندار کا ہوتا ہے۔ شادی غمی پر کوئلہ لوہار کا ہوتا ہے۔
موچی	غلہ بشرح لوہار۔ جانور جو بوقت شادی و غمی ذبح ہوں ان کا چمڑہ لیتا ہے اور جو مر جائے اس کا چمڑہ نصف موچی اور نصف مسلی لیتا ہے۔	پاپوش کہنہ کا مرمت کرنا اور نیا تیار اور ترٹ کو چمڑہ لگانا اس کے ذمہ ہے۔ چمڑہ صرف موچی لیتا ہے اور چمڑہ کے عوض ایک جوڑہ سادا دیتا ہے۔
حجام	غلہ بشرح لوہار اور شادی پر ایک روپیہ نقد بھی دیا جاتا ہے۔	معمولی حجامت بنانا اور شادی غمی میں کھانا پکانا اور پیغام رسانی اس کے ذمہ ہے۔
مسلی	4 چھا غلہ ایک چھا غلہ	چھج اور کھاری کہنہ اس کے ذمے ہے جب کام کرایا جائے تو مطابق کام دیا جاتا ہے۔

امام مسجد	غلہ فی گھر ایک چوہا فی فصل علاوہ اس کے ایک روپیہ نقد بوقت نکاح اور ایک روپیہ میت پر دیا جاتا ہے۔	امامت نماز پنجگانہ۔ نکاح خوانی۔ غسل میت۔ تعلیم مذہبی۔
پنہارہ	غلہ یک چاہا فی گھر فی فصل اور ایک گڈی۔ جھول سٹہ یک شادی پر 4 آنے نقدی۔ 4 آنے غمی پر دیئے جاتے ہیں۔	صفائی مسجد اور وضو کے واسطے پانی مسجد میں گرم کرنا اور مسجد کی حفاظت اور مسافران کی خبر گیری اس کے ذمہ ہے۔

علی ہذا القیاس چاکران دیہی یعنی کمیوں کی لمبی فہرست ہے

ایک اور گاؤں کی شرط واجب العرض میں سے صرف امام مسجد کے متعلق نقل کیا ہے اس فہرست میں امام مسجد کا چوتھا نمبر ہے۔ تیسرا حجام کا ہے۔

قسم چاکر دیہی۔ مد نمبر 4	حقوق	خدمات
امام مسجد	فی ڈھیری یک چہا۔ فی گھر یک گڈی۔ فی گھر ایک چہا۔ غسل مردہ۔ 1- فی نکاح۔ 1-	بوقت تیاری فصل بسم اللہ لکھ کر دینا۔ جنازہ پڑھانا۔ نماز پڑھانا اور غسل مردہ۔ نکاح خوانی۔ حفاظت مسجد و خدمت مسافران اور لڑکوں اور لڑکیوں کو پڑھانا۔

اس گاؤں کی لمبی فہرست میں سے صرف امام مسجد کی مد نقل کی ہے۔ اور یہ آج 1994ء کی بات ہے۔

دوسرا سوال کمیں کا مطلب۔ مراد پنج ذات کے وہ لوگ جن کا کام وڈیروں' چوہدریوں' خانوں' ملکوں اور سرداروں کی خدمت کرنا ہے۔ اور اس خدمت کے عوض جو قوت لا یموت ان کی طرف سے عطا ہو اس کے ذریعے جسم اور روح کے تعلق کو باقی رکھتا ہے۔

تیسرا سوال کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کے جواب کے لئے ماضی بعید کے دھندلکوں میں جھانکنا پڑے گا پھر حال کا مطالعہ کرنا پڑے گا اس طرح جواب کے دو حصے بن جائیں گے یعنی ایسا کیوں تھا اور ایسا کیوں ہے۔ پہلے حصے کا جواب یہ ہے کہ۔

(الف)۔ ۱۶۰۰ء میں سات سمندر پار سے انگریز اس ملک میں تاجر کی حیثیت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی صورت میں براجمان ہوا۔ تاجر خواہ علمی اعتبار سے علم نفسیات کا واقف نہ ہو عملاً وہ ماہر نفسیات ہوتا ہے۔ چنانچہ انگریز تاجر نے جہاں اپنی تجارت کو استحکام اور وسعت دی وہاں اس ملک کے باشندوں کی نفسیات کا بغور مطالعہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ۔

(ا)۔ اس ملک میں صدیوں سے مسلمانوں کی حکومت چلی آ رہی ہے۔

(ب)۔ مسلمان حکمران سہی مگر مسلم معاشرہ میں ہندو معاشرت کئی پہلوؤں سے در آئی ہے۔ ان میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ذات پات کی تمیز اسی طرح سوسائٹی کا حصہ ہے جیسے ہندوؤں میں مذہب کا حصہ ہے۔ جس طرح ہندوؤں میں برہمن، کھشتری، ویش، اور شودر ہیں۔ اور سب سے نیچ ذات شودر ہے۔ اور شودر خواہ کتنا پڑھا لکھا عالم، فلاسفر، مفکر ہو وہ نیچ ہی شمار ہوتا ہے اسی طرح مسلمانوں میں اونچی ذات اور نیچی ذاتوں کا تصور موجود ہے چونکہ یہ ایک زرعی ملک ہے اس لئے اس ملک میں اونچی ذات وہ ہے جس کے قبضے میں زمین ہو۔ اور نیچی ذات وہ ہے جو زمین سے محروم ہو۔ اونچی ذات والے مختلف مقامات پر وڈیرے، چوہدری، خان، ملک اور سردار کے القاب سے پکارے جاتے ہیں۔ اور نیچی والے کا کام صرف ان بڑوں کی خدمت اور چاکری کرنا ہے۔ اپنا پس خوردہ جو کچھ وہ دے دیں اس پر یہ صابر و شاکر رہیں۔ نیچ ذات کا آدمی خواہ ہزار خوبیوں اور سینکڑوں کمالات کا مالک ہو، وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ترجمان حقیقت نے اسی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ؎

ہو گی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

اس نفسیاتی مطالعہ کے ساتھ انگریز تاجر آہستہ آہستہ حکمرانی کی طرف بڑھنے لگا۔

(۲)۔ ۱۸۵۳ء میں اس کا تجارتی کاروبار قانونی طور پر بند ہو گیا اور انگریزوں کی باقاعدہ طور پر حکمرانی شروع ہوئی۔

(۳)۔ انگریز نے دیکھا کہ ہندو صدیوں سے غلام چلا آ رہا ہے اور یہ غلامی کا خوگر ہے بلکہ لفظ ہندو کے معنی ہی غلام ہے لہٰذا اس سے کوئی خطرہ نہیں۔

(۴) ہم نے مسلمانوں سے حکومت چھینی ہے۔ ان کا یہ جذبہ پھر ابھر سکتا ہے۔

(۵)۔ مسلمانوں کا دین سے تعلق اور دین میں جہاد کی فرضیت دو ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مسلمان ہمارے لئے درد سر بن سکتا ہے اس لئے کسی طرح اس کو دین سے دور، بیزار اور متنفر کیا جائے۔

(۶)۔ استدلال کے میدان میں دین پر حملہ ممکن نہیں کیونکہ استدلال میں دین اسلام اپنی برتری کا سکہ منوا چکا ہے اور منوا رہا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ نفسیاتی جنگ کی جائے تاکہ یہ از خود دین اسلام سے دور بلکہ بیزار ہو جائیں اور بے دینی کی طرف لپکنے لگیں اور کیفیت یہ ہو جائے بقول ترجمان حقیقت۔ ؎

کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوق نخچیری

اس کے لئے انگریز نے چند تدبیریں کیں۔

(الف)۔ یہ اعلان کیا کہ مسلمانوں کے مدارس کے تعلیم یافتہ کو نوکری نہیں ملے گی۔ یہ پیٹ پر لات مارنے کی تدبیر بھی تھی اور اسلامی مدارس اور اسلامی تعلیم سے بیزار کرنے کا نسخہ بھی تھا۔

(ب)۔ ہوٹل کے بیروں اور دربانوں کے لئے لباس مقرر ہوا۔ پگڑی کلاہ اور اچکن۔ یہ لباس مسلمان علماء کا تھا۔ اس طرح علماء اسلام کا منصب گرانے اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لئے حقارت کا جذبہ پیدا کرنے کی نہایت موثر تدبیر تھی۔

(ج)۔ کاغذات میں امام مسجد کو کمیں درج کرنے کا حکم دیا گیا۔

جب دین کے قائد کی حیثیت کمیں کی ہو گی تو دین کا مقام خود بخود گر جائے گا۔ چنانچہ ۱۸۶۰ء میں کاغذات مال میں یہ اندراج ہوا اور امام مسجد کو چاکران دیہہ اور کمیوں کی فہرست میں شمار کیا جانے لگا۔

ان تدابیر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں دین کا علم حاصل کرنے کا شوق کم ہونے لگا بالاخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دین کا علم حاصل کرنا نقصان دہ اور گھٹیا کام شمار ہونے لگا۔ اور امام مسجد کا کمیں لکھا جانا ایسا تیر تھا جو نشانے پر بیٹھا۔

جن ذاتوں کو کسی اعتبار سے اعلیٰ سمجھا جاتا تھا ان ذاتوں کے لوگوں نے مسجد کی امامت سے جان بچانا شروع کر دیا۔ اور وہ لوگ مسجدوں کی امامت سنبھالنے کے لئے آگے بڑھے جن کو نیچ ذات شمار کیا جاتا تھا۔ کیونکہ امامت مسجد میں پھر بھی کچھ عزت تو تھی۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے حالت یہ ہو گئی کہ آپ پورے ملک میں دیہات میں گھوم جایئے آپ کو امام مسجد وہی نظر آئیں گے جو "نیچی ذات" سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً" جولاہے' موچی' ترکھان' لوہار بلکہ میں نے ایک گاؤں میں ایک مسلی امام مسجد دیکھا ہے۔ مسلی اسے کہتے ہیں' جس کا کام ڈھول باجے بجانا ہوتا ہے۔

پہلی تدبیر کا اثر یہ ہوا کہ پڑھے لکھے لوگ مسجد کی امامت سے دور رہنے لگے اور گزیٹڈ جاہل مسجدوں کے امام بننے لگے۔ ایسے ہی ایک امام مسجد کے متعلق سنا ہے کہ کسی گاؤں میں امام نے نماز پڑھائی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا۔ نمازیوں نے کہا حضرت غلطی تو کوئی نہیں آپ نے سجدۂ سہو کیوں کیا؟ جواب دیا ذرا ہوا خارج ہو گئی تھی اس لئے سجدہ سہو کر لیا ہے۔ ؎

گر ہمیں مکتب است ہمیں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

(اگر یہی سکول ہے اور یہی استاد ہیں تو بچوں کا کام تمام ہوا۔)

انگریز نے دوسری تدبیر وہ کی جو ہر فاتح اور حکمران کرتا ہے سوائے پاکستانی حکمرانوں کے۔ اور وہ تدبیر یہ تھی کہ ملک میں ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جس کے ذریعے NATIVE (مقامی باشندے) خوئے غلامی میں پختہ سے پختہ تر ہوتے چلے جائیں۔ چنانچہ لارڈ میکالے کا تیار کردہ نظام تعلیم رائج کر دیا گیا اور اس کے مطابق نصاب تیار کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ غلامانہ ذہنیت کے کالے انگریز تیار کئے جائیں۔ یہ تدبیر بڑی کارگر تھی اور کارگر ثابت ہوئی اس کی قوت علامہ اقبال کے الفاظ میں ؎

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ نسخہ
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

مسلمانوں کو دین اسلام سے اور دینی علم سے ایک جذباتی تعلق تھا اس لئے وہ میکالے کے نظام تعلیم کو قبول کرنے کے لئے بخوشی اور جلدی آمادہ نہ ہوئے مگر ہندوؤں نے لپک کر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور ادھر انگریزی پالیسی بھی یہ تھی کہ مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں بھی پیچھے دھکیلا جائے۔ ان دونوں امور کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ۔

(الف)۔ ۱۸۸۱ء میں پورے ہندوستان میں گورنمنٹ ہائی سکولوں میں ۳۶۶۸۶ ہندو اور ۳۶۳ مسلمان طلبہ پڑھتے تھے۔

(ب)۔ ۱۸۸۱ء میں پورے ہندوستان میں ۳۱۵۵ ہندو اور ۷۵ مسلمان گریجویٹ تھے۔

میکالے کے نظام تعلیم اور انگریزی زبان کے ذریعے انگریز کلچر جو اس ملک میں در آیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق مدھم پڑتے پڑتے غیر جانبداری سے سے بیزاری تک پہنچ گیا۔ میکالے کی تعلیم کے متعلق ترجمان حقیقت نے تجزیہ کیا ہے۔ ؎

ہم نے سمجھا کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ایسا کیوں تھا کا جواب تو آ گیا کہ یہ انگریز کی ضرورت تھی۔ رہا یہ سوال کہ ایسا کیوں ہے۔ اس کی وجہ بھی نفسیاتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انگریز جو ورثہ چھوڑ کے گیا ہے۔ اس میں سے ایک نعمت عظمیٰ وہ چند خاندان ہیں جن کی پرورش اور تربیت نسلاً بعد نسل انگریز نے خود کی اور ایک خاص مقصد کے لئے۔ وہ چند خاندان وڈیروں، چوہدریوں، ملکوں، خانوں اور سرداروں کے ہیں۔ انہیں انگریز نے ذہنی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے پورے طور پر اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا یہ اول و آخر انگریز تھے۔ صرف لیبل دوسرا تھا۔ انگریز یہاں سے جاتے وقت حکومت کا چارج اسی طبقہ کو دے کے گیا جسے آج ہم آزادی کہتے ہیں یہ ایک تہمت ہے جو ہمارے ساتھ چپکا دی گئی ہے ورنہ اس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہم برطانیہ کے غلام تھے۔ برطانیہ ہمارے سروں پر بیٹھ کر سفید انگریزوں کے ذریعے ہم پر حکومت کرتا تھا اور ہم برطانیہ کے زر خرید غلام تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد تبدیلی یہ ہوئی کہ ہم اب امریکہ کے غلام ہیں وہ دور اپنے گھر بیٹھا ہوا ریموٹ کنٹرول سے کالے انگریزوں کے ذریعے ہم پر حکومت کر رہا ہے اور ہم امریکہ کے زر خرید غلام ہیں۔ اور ہمیں ترجمان حقیقت کے اس شعر کا مفہوم سمجھ میں آ گیا تو ؎

اگر قبول کرے دین مصطفیٰؐ انگریز
سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

چنانچہ الیکشن کا ڈرامہ یہاں ہوتا ہے اور حکومت امریکہ میں بنتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے نہ بن سکے تو امریکہ سے بنی بنائی بھیج دی جاتی ہے۔ انگریز کے ان شاگردان رشید کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ دین یا دین کے علمبرداروں کو کوئی عزت کا مقام ملے۔ پر کیوں اس تلخ حقیقت کی طرف توجہ دیتے کہ امام مسجد کو کیں قرار دینا ایک اسلام دشمن قوم کا شیوہ تھا۔ ہم اس لعنت کو یکسر مٹانا چاہتے ہیں۔ انگریز کے ان جانشینوں کے متعلق انہی میں سے ایک مفکر کی رائے۔

"نوائے وقت ۸۶-۹-۳" عنوان۔ پاکستان نظریہ اسلام کے تحت وجود میں نہیں آیا۔ تالپور

"سابق وزیر دفاع میر علی احمد تالپور نے کہا ہے کہ میں اس سے اتفاق نہیں کروں گا کہ پاکستان نظریہ اسلام کے تحت وجود میں آیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو غلام محمد سکندر مرزا، ایوب خان، یحییٰ خان اور بھٹو جیسے لوگ ہرگز برسراقتدار نہ آتے۔"

لیجئے یہ بات کہنے والا کوئی "کیں" نہیں ایک وڈیرا ہے۔ اس کے ضمیر نے انگڑائی لی اور بات سچی کہہ گیا اور یہ قابل قدر ہے کیونکہ مشہور ہے۔ ؎

ولی را ولی می شناسد

تالپور نے جو نام لئے ان کے خیال کے مطابق یہ لوگ کسی اسلامی ملک کے سربراہ ہونے کے قابل ہرگز نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ ان میں مختلف ایسے اوصاف ہوں گے جن کی بنا پر وہ اس اعزاز کے اہل نہیں تھے مگر کوئی قدر مشترک ضرر ہو گی۔ شاید ان میں قدر مشترک یہی مجبوری ہو کہ ؎

مجھے شرع سے کوئی ضد نہیں پر اس اتفاق کو کیا کروں
کہ جو وقت میکشی کا ہو وہی عین وقت نماز ہو

بہرحال تالپور صاحب کی بات اب تک علی حالہ قائم ہے۔ اس طبقے کی خاص نفسیات ہیں چنانچہ قرآن کریم نے ان کی نفسیات کا ایک پہلو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۱۔ حضرت نوحؑ نے جب دین کی دعوت پیش کی تو قوم کے وڈیروں نے کہا۔ "ہم دیکھتے ہیں کہ تیرے پاس "کیوں" کی بھرمار ہے۔ ہم بھلا ان کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ ہم تمہاری برتری تسلیم نہیں کرتے۔ (الشعراء)

۲۔ حضرت ھود علیہ السلام نے دین کی دعوت دی تو قوم کے چوہدریوں نے کہا۔ "ہمیں یوں نظر آتا ہے کہ تم حماقت کی دلدل میں پھنسے ہو۔" (اعراف)

۳۔ قوم لوطؑ کے نوابوں نے دینی دعوت سن کر کہا کہ "

ان پاکبازوں کو ملک بدر کر دو۔" (اعراف)

۴۔ قوم شعیبؑ کے خوانین نے کہا لوگو! شعیبؑ کی بات مانو گے تو خسارے میں رہو گے۔

۵۔ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا یہ دین تو نرا فساد ہے اور موسیٰؑ بڑا فسادی ہے اے فرعون کیا تو اسے کھلی چھٹی دیئے رکھے گا۔ (اعراف)

۶۔ مکہ کے سرداروں نے کہا کہ اگر دین ایمان کوئی فضیلت یا آنر کی چیز ہوتی تو تم کس طرح ہم سے سبقت لے جا سکتے تھے۔

۷۔ سورہ سبا میں اللہ کریم نے یہ اصول بتا دیا کہ ۔ جب بھی ہم نے کسی قوم میں کوئی رسول بھیجا اس قوم کے وڈیروں اور چوہدریوں نے ہمیشہ یہ کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے افرادی قوت اور مال و دولت کے لحاظ سے ہم تم لوگوں سے افضل و برتر ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ طبقہ تو "طبعاً" دین کا مخالف رہا ہے ان سے کیا توقع ہو سکتی تھی کہ ان کے ہاتھوں دین کی سربلندی کا کوئی کام ہو سکے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ برتری اور آنر کے لئے مرتے ہیں۔ لسان العصر نے ان کی اس پیاس کی تصویر کشی کی ہے۔

کیوں سول سرجن کا آنا روکتا ہے ہم نشیں
اس میں ہے اک بات آنر کی شفا ہو یا نہ ہو

یعنی مر جانا منظور ہے آنر کی بات سے ہاتھ کھینچنا منظور نہیں اور اس کا نتیجہ بھی لسان العصر کی زبان سے سنئے۔

جب سے ہم میں آنریبل اور سر پیدا ہوئے
سوئے فتنے جاگ اٹھے اور شر پیدا ہوئے

آنر کے لئے اس طبقے کے جنون کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں۔

آمادہ ہیں جتنے وہ آنر کے لئے
مادہ نہیں ہوتی اتنی نر کے لئے

تو معلوم ہوا کہ دین یا ایمان کوئی آنر کی بات ہوتی تو یہ طبقہ لپک لپک کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا جب اس طبقے کا نظریہ یہ ہے دین اور مذہب سے رغبت کمیوں کا کام ہے تو یہ کیوں اس طرف بڑھیں۔ اگر دین بھی کوئی آنر کی چیز ہوتی تو ان کی توجہ بھی ادھر ہوتی۔ آج سارے ملک کا سروے کر کے دیکھ لیں۔ کہیں کوئی وڈیرا یا چوہدری عالم دین یا دین کا علم پڑھا ہوا ملتا ہے۔ کیا کوئی چوہدری یا سردار کسی مسجد کا امام پایا جاتا ہے۔

کیوں؟ اس لئے کہ ان کی نگاہ میں یہ کمیوں کا کام ہے۔ چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ اس طبقے نے جب دین کو عزت اور آنر کی چیز سمجھا اس کی طرف لپکے چنانچہ عہد نبوت اور دور صحابہ کو تو چھوڑے کہ تربیت نبویؐ سے یہ لوگ اس قدر بدل گئے تھے کہ دین کے علاوہ کسی چیز کو عزت اور آنر کا سبب سمجھتے ہی نہیں تھے۔ بعد میں بھی جو مسلمان بادشاہ آئے دین کا علم رکھتے تھے اور علماء کو مصاحب بھی بناتے تھے۔ ابھی ماضی قریب کی بات ہے۔ نواب قطب الدین خان نے مشکوۃ المصابیح کی جو شرح مظاہر حق لکھی ہے اس کی حیثیت دینی لٹریچر میں وہی ہے جو شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کی ہے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان کتنے بڑے دینی عالم اور محقق گزرے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ دین کو ہی عزت او آنر کی چیز رکھتے تھے۔ ورنہ حالت تو یہ ہے کہ ہمارے کسی حکمران کو کسی عالم نے چیلنج کیا تھا کہ تم دعائے قنوت ہی سنا دو وہ بیچارہ کیسے سنائے اس کے باپ دادا بلکہ پشتوں تک کسی کو نماز پڑھنے کا حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔

اس لئے ۱۸۶۰ء کی انگریز کی میراث ۱۹۹۴ء میں بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے گلے کا ہار ہے۔

اب ایسا کیوں ہے کی دوسری وجہ انگریز کا ایک اور ورثہ ہے اور وہ ہے جمہوریت کی لعنت۔ ابلیس نے اولاد آدمؑ سے انتقام لینے کے لئے آج تک جتنے ہتھیار ایجاد کئے ہیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار اور مہلک ہتھیار یہ جمہوریت ہے۔ جہاں تک اس کے علمی مقام کا تعلق ہے

مغرب جس کو قیادت کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی رائے یہ ہے۔

(ا) جمہوریت ایک ایسا نظام ہے جس میں اعلیٰ اور نیک خصلت مگر خاموش انسانوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہاں اقتدار لاف زنی کرنے والے دھوکا بازوں کے حصے میں آتا ہے۔ (کارلائل)

رائے عامہ کا سرچشمہ نہ تو علم ہے نہ عقل و فہم بلکہ اسے ہمیشہ اپنے اپنے گروہ کے مفادات جنم دیتے ہیں۔ (جمہوریت کا بحران۔ ہیرلڈ لاسکی)

مگر ہمارے حکمرانوں نے اسے جمہوریت نہیں رہنے دیا بلکہ اسلامی جمہوریت بنا لیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں اپنی آزاد سلطنت کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھ لیا۔ قاعدہ ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کا نام رکھا جاتا ہے تو اس ملک کے وجود میں آنے کے ۹ سال بعد اس کا نام تو رکھ ہی لیا۔ یہ ہمارے اس طبقہ کی پھرتی ہے جو اب تک حکمران چلا آ رہا ہے۔ ہم تقسیم ملک سے پہلے کہتے تھے کہ ہمارے پاس بنا بنایا آئین۔ قرآن موجود ہے مشکل تو ہندوؤں کے لئے ہے اور ہوا یہ کہ پاکستان سے چار گنا آبادی والا ملک ۱۹۵۱ء میں دستور بنا دے اور پانچ صوبوں والا پاکستان جس کے پاس آئین موجود تھا۔ وہ ۱۹۵۶ء میں ملک کا نام رکھے۔ اور یہ بھی اس وجہ سے ہو گیا کہ ایک سچ مچ کا مسلمان چوہدری محمد علی کسی طرح حادثہ کے طور پر اقتدار کی حدود میں گھس آیا۔

بہرحال جب یہ اسلامی جمہوریہ بن گئی تو حالات ہی بدل گئے۔ چنانچہ ۱۹۸۸ء میں صدارتی اعلان ہوا۔

"فاسق، بددیانت اور غیر متقی لوگ انتخاب نہیں لڑ سکیں گے۔" (جنگ۔ ۸۸-۱۰-۷)

اور ۹۰ء میں اعلان ہوا۔

ہر وہ شخص نا اہل ہو گا جو اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نہ ہو۔ کبیرہ گناہوں سے نہ بچتا ہو۔ اخلاقی پستی میں ملوث ہو۔ غیر پارسا بددیانت، فاسق، سزا یافتہ اور نظریہ پاکستان کا مخالف ہو۔ اسلامی اقدار سے انحراف کرتا ہو۔ اسلامی تعلیمات کا علم نہ رکھتا ہو۔ (جنگ ۹۰-۸-۲۴)

لیجئے اب تو بات ہی اور ہو گئی چنانچہ الیکشن کمیشن کی چھلنی سے چھن کر جو علماء اور متقی اور پارسا میدان میں اترے ان میں سے جو زیادہ متقی تھے وہ کامیاب ہو گئے۔

اب مصیبت یہ آن پڑی کہ پارلیمنٹ میں جدھر دیکھو متقی ہی متقی۔ ؎

ہر ایک پھول بجائے خود ایک گلشن ہے
میں کس کو ترک کروں کس کو اختیار کروں

کی کیفیت پیدا ہو گئی مگر اللہ کے بندوں کا اللہ خود ہی کارساز ہوتا ہے۔ عقدہ کشائی کے لئے ایک نکتہ ہاتھ آ گیا وہ یہ کہ سارے متقی ایسے تھے جن کے تقوے دیسی تھے۔ ایک تقوی ولایتی مل گیا وہ بھی (Made in England) اور ولایتی چیز کی برتری تو مسلم ہے۔ اس لئے ولایتی تقویٰ کو امام المتقین بنا دیا گیا۔

اب ذرا اس اسلامی جمہوریت اور اس تقویٰ کی برکات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ نوائے وقت۔ ۹۱-۶-۵

"صوبہ سرحد کا سابق وزیراعظم امان اللہ کنڈی ۲۵ کروڑ روپے کی ہیروئن سمیت پکڑا گیا۔"

۲۔ نوئے وقت ۹۱-۶-۵

"بلا ڈکیت گروپ کے سرغنہ سمیت ۵ ملزموں کو گرفتار کر لیا گیا۔ S.P کو "با اثر" افراد کے فون آئے کہ انہیں چھوڑ دو ورنہ اچھا نہ ہو گا۔"

۳۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔ ۹۔ ۲۴

"خصوصی عدالت نے پیپلز پارٹی دور کے وزیر مملکت ملک وارث خان آفریدی سمیت ۷ افراد کو منشیات کی سمگلنگ کے ایک مقدمہ میں پانچ پانچ سال قید سخت پچاس پچاس ہزار روپے جرمانہ اور بیس بیس کوڑوں کی سزا سنائی۔"

۴۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔۶۔ ۲۶

ڈاکوؤں کی سرپرستی اور اور بھتہ وصول کرنے کے الزامات میں بعض صوبائی وزراء کے خلاف بھی تحقیقات شروع کر دی گئی ہے۔ ایک وزیر مخبر تھے' کابینہ کے اجلاس میں کئے گئے فیصلے ڈاکوؤں تک پہنچاتے تھے۔

۵۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔ ۸۔ ۱

اچھرہ پولیس لاہور نے ماڈل ٹاؤن کی ایک کوٹھی پر چھاپہ مار کر پیپلز پارٹی کے ایک رہنما اور سابق وفاقی وزیر ملک مختار اعوان سمیت ۱۳ خواتین و حضرات کو شراب کے نشے میں دھت ہو کر رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا ہے۔ ان کے قبضے سے غیر ملکی شراب کی ۴ بوتلیں۔ ۱۳۶۰۰ روپے کے کرنسی نوٹ برآمد کر لئے ہیں۔ پولیس رپورٹ کے مطابق ملک مختار اعوان سمیت سات افراد شاہی محلّہ سے لائی ہوئی چھ عورتوں سمیت برہنہ حالت میں ڈانس کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔

۶۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔ ۱۱۔ ۲۸

سابق وزیر ریلوے میاں عطاء اللہ دھوکہ دہی کے الزام میں گرفتار۔ کار پر جعلی نمبر لگا رکھا تھا۔ متعدد اعلیٰ افسران سے رقوم لے کر واپس نہیں کیں۔

۷۔ جنگ۔ ۹۲۔ ۶۔ ۲۶

"MQM کے دو ارکان اسمبلی امیر حیدر شاہ اور قبول شاہ ملک سے فرار ہو گئے۔"

۸۔ نوائے وقت۔ ۹۱۔۸۔۲۵

"ذوالفقار اعوان MPA کروڑوں روپے غبن کرنے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔

۹۔ نوائے وقت۔ ۹۱۔ ۸۔ ۲۹

اغوا برائے تاوان کے ۵ اور ناجائز اسلحہ کے ۵ مقدمات میں مفرور ملزمان PDA کے MNA خورشید شاہ اور MPA مظہرالحق کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے۔

۱۰۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔ ۵۔ ۶

ارکان اسمبلی اس قابل نہیں کہ وہ معزز ایوان میں بیٹھیں یہ لوگ تو ہمارے معاشرے کا "مافیا" ہیں۔ (جسٹس جاوید اقبال)

۱۱۔ نوائے وقت۔ ۹۲ ۔ ۶۔ ۱۸

اسمبلیوں کے ارکان قوم کے لئے خدا کا عذاب بن گئے۔ (کھر) (خود رکن اسمبلی ہیں)

۱۲۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔ ۱۰۔ ۱۳

قومی اسمبلی میں گالیاں' دھمکیاں' حملے' ارکان بے قابو ہو گئے۔ "یہ حرامزادہ ہے" نصرت بھٹو نے اسدالرحمٰن کی طرف اشارہ کر کے کہا اور منہ پر ہاتھ مار مار کر بولتی رہیں۔

یہ ہیں جمہوریت کی برکات۔ اور یہ ہیں پاکستانی تقویٰ اور جمہوریت کے متقیوں کے کارہائے نمایاں۔ بھلا جن کو بات کرنے کی تمیز نہ ہو۔ وہ قوم اور اسلام کی خدمت کریں گے۔ اور جس مجلس میں لکھنؤ کی بھٹیاریوں کا سماں نظر آئے یا جس مجلس میں "شاہی محلّہ کے باسیوں کی قومی زبان" میں ملاحیاں سنائی جائیں۔ شریف آدمیوں کی مجلس ہے۔ مگر جمہوریت میں تو یہ تقویٰ کا عطر ہے۔

۱۳۔ جنگ ۸۸۔ ۴۔ ۲۴

یہاں کفر' لادینیت اور غندہ گردی تو آ سکتی ہے۔ شرافت' اسلام اور انسان دوستی نہیں آ سکتی۔ (مسٹر حمزہ)

۱۴۔ نوائے وقت ۹۲۔ ۱۱۔ ۲۶

کوئی ایماندار اور ذہین شخص الیکشن نہیں لڑ سکتا۔ (آصف احمد علی)

خیر سے آپ الیکشن لڑے بھی ہیں اور وزیر بھی ہیں۔ وہ خود ہی بتائیں کہ وہ کیا ہیں۔

۱۵۔ نوائے وقت۔ ۹۱۔ ۸۔ ۱۶

یہ کیسا شریعت بل ہے کہ سیاسی نظام اور عدالت کے فیصلے کو متاثر نہیں کرے گا۔ حکومت کے انتظامی ڈھانچے اور پارلیمنٹ کے اختیارات کو متاثر نہیں کرے گا۔ (میاں

طفیل محمد)

یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی متقیوں پر مشتمل پارلیمنٹ نے ایسا شریعت بل پاس کر دیا جو کفر کو بالکل نہیں چھیڑے گا۔ یعنی کافرانہ اسلام نافذ کر کے دکھا دے گا۔ یعنی اسلام پکار پکار کر کہہ رہا ہے ۔

دوستوں کا کرم معاذ اللہ
شکوۂ جور دشمناں نہ رہا

۱۶۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔ ۱۰۔ ۱۹

موجودہ بل میں شریعت کے سوا سب کچھ ہے۔ (جسٹس جاوید اقبال)

کیا ہوا شمع تو نے بجھا دی اے دوست
دیر کے شعلہ زبانوں نے تجھے داد تو دی

۱۷۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔ ۸۔ ۲

"قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کا آرڈیننس نافذ کر دیا گیا۔"

یعنی اسلامی جمہوریہ میں ۱۹۹۲ء تک تعزیرات پاکستان ۱۸۶۰ء اور ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء رائج رہا۔

۱۸۔ نوائے وقت۔ ۹۲۔ ۸۔ ۳

توقع ہے کہ قرآن و سنت کو سپریم لا قرار دینے کے لئے آئینی ترمیم قومی اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں پیش کر دی جائے گی۔ جس کی منظوری کے بعد حکومت کا ایک اور وعدہ پورا ہو جائے گا۔ (وزیراعظم)

یعنی ۱۹۹۲ء تک قرآن و سنت کو سپریم لا نہیں بنایا گیا بلکہ ۱۹۹۴ء تک بھی نہیں بنایا گیا تو یہ جمہوریہ اسلامی کیسے بن گئی۔ آدمی اقرار شہادتین سے ہی تو مسلمان ہوتا ہے' اور یہ اقرار دراصل قرآن و سنت کو سپریم لا ماننا ہی تو ہے۔ جب آئین میں قرآن و سنت کو سپریم لا تسلیم ہی نہیں کیا گیا تو ریاست اسلامی کیسے بن گئی۔ اس کے بغیر اس کا نام اسلامی جمہوریہ رکھنا تو ایسا ہی ہے جیسے گھانسی رام کا نام غلام علی رکھ دیا۔ رہے گھانسی رام مگر اسے غلام علی کہا کرو۔

تو ایسا کیوں ہے کی دوسری وجہ یہ جمہوریت کی لعنت ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دین شریعت اسلام وغیرہ کو قابل عزت کیونکہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس جمہوریت میں ایسے متقی "کریم آف نیشن" ہوں اس جمہوریت سے کسی چیز کی توقع کب ہو سکتی ہے۔ یہاں تو اسلام دہائی دے رہا ہے۔

"مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔"

اس لئے امام مسجد کمیں ہی رہے گا اور کمیں ہی امام مسجد رہیں گے۔

فوج میں وقفے وقفے بعد امام مسجد کے ساتھ بہتر سلوک ہوتا رہا۔ جس کی صورت کچھ یوں ہے۔

۱۹۴۰ء میں آرمی ریگولیشن میں پادری کا ذکر تو بڑی تفصیل سے ہے۔ آرٹیکل نمبر ۱۶۰۹ سے لے کر ۱۶۱۵ تک پادری کے متعلق تفصیلات ہیں آخر میں ریلجس بکس میں انجیل کی تین قسموں کا ذکر ہے۔ امام مسجد کا کہیں ذکر نہیں۔ آزادی کے بعد یہی صورت رہی کہ کلاس فور سرونٹس کے طور پر امام مسجد سویلین بھرتی ہوتے رہے۔ ۱۹۵۷ء میں انکو پنشن کا حق دیا گیا۔ ۱۹۶۳ء میں تنخواہ پر نظر ثانی کی گئی اور ایک تقابلی لسٹ تیار ہوئی جس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

Category	Pay 1949	Pay 1963
/ Father Chaplain	Rs 100 / fixed	Rs 125 /- fixed.
Teacher	(i) 35 - 5 / 10-45	(i) 75 - 1- 90
Religious master Band	115-15/2-175 EB-10-225	170-10-270-15-315

اس تقابل سے ۱۹۶۳ء تک امام مسجد کا مقام واضح ہو

جاتا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں تنخواہ بلند کیا گیا۔ Non-gazettor Class 100-4-120-EB-5-170 ۱۹۷۴ء میں درجہ اور بلند کیا گیا یعنی سکیل ۵ دیا گیا۔

Unqualified امام کو سقہ، لانگری وغیرہ بھرتی کرتے تھے۔ اور کام امام مسجد کا لیتے تھے۔

۱۹۷۷ میں کوئی ایسا جرنیل برسراقتدار آ گیا جو غالباً" مسجد میں جانے میں عار نہیں سمجھتا تھا اور امام کے منصب سے بھی کسی قدر واقفیت تھی اور وڈیرا یا سردار بھی نہیں تھا۔ ستمبر ۱۹۷۷ء میں ریٹائرڈ ٹیچر یعنی امام مسجد کو کمیشنڈ آفیسر اور جونیئر کمیشنڈ آفیسر کا رینک دیا گیا اور صوبیدار اور نائب صوبیدار کے برابر ہوتا ہے۔ جس کو انگریز کے زمانے میں V.C.O یعنی وائسرائے کمیشنڈ آفیسر کہتے تھے۔ ۱۹۷۷ء سے اب تک فوج میں یہی معمول چلا آ رہا ہے۔ بہرحال فوج میں اب امام مسجد "کمیں" نہیں رہا۔ عین ممکن ہے سول میں بھی کوئی ایسا وڈیرا یا چوہدری برسراقتدار آ جائے جسے کہیں سے یہ علم ہو جائے کہ اسلام میں مسجد اور امام مسجد کا کیا مقام ہے تو شاید کاغذات مال سے کمیوں کی فہرست سے امام مسجد کا نام خارج کر دیا جائے۔ گو اس کا امکان بہت کم ہے کیونکہ اب تک قرآن و سنت کے مقام کو پہچاننے والا حکمران کوئی نہیں آیا تو امام مسجد بیچارے کو کون پوچھتا ہے۔

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو صنم بھی کہہ دے ہری ہری

آسمان جمہوریت کے درخشندہ ستاروں کے کارہائے نمایاں تو آپ نے دیکھ لئے اب ذرا بی جمہوریت کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس کے ساتھ وفاداری کا عالم کیا ہے۔

جمہوریت کا ایک نمایاں اصول بلکہ خصوصیت یہ ہے کہ اکثریت جو کہے حق وہ ہے۔ اور حق کوئی مستقل قدر نہیں بلکہ یہ اکثریت کی رائے کے ماتحت ہے۔ آج اکثریت جسے حق کہتی ہے وہ حق ہے اور کل اگر یہی اکثریت ناحق کہتی ہے تو وہ ناحق ہو گا۔ اس کی واضح مثال جمہوریت کے امام امریکہ کی موجود ہے۔

۱۹۲۰ء میں امریکی قانون ساز اسمبلی نے اکثریت کی رائے سے شراب کو ممنوع قرار دیا۔ اور کوئی ۱۴ برس تک اس قانون کے نفاذ میں ساڑھے چار ملین ڈالر خرچ ہوئے۔ آخر ۱۹۳۳ء میں اکثریت نے شراب کو جائز قرار دے دیا۔

جمہوریت کے اس اصول کے تحت ذرا اپنے حالیہ انتخابات کا جائزہ لیجئے۔

۱۔ رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد۔ ۵ کروڑ ۲۲ لاکھ۔

۲۔ اس الیکشن میں جو ووٹ ڈالے گئے۔ ۱ کروڑ ۹۸ لاکھ ۳۶ ہزار۔

۳۔ ڈالے گئے ووٹوں کا تناسب۔ ۳۸ فیصد۔

یعنی ۶۲ فیصد ووٹروں نے ووٹ نہیں ڈالے جس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کے ۶۲ فیصد ووٹروں نے کسی امیدوار کو اس قابل نہیں سمجھا کہ اسے قوم یا اسلام کی نمائندگی کا اہل قرار دیا جائے۔

یہ جو ۳۸ فیصد ووٹ ڈالے گئے ان میں سے ۳۸ فیصد پیپلز پارٹی کے حصے میں آئے۔ یعنی کل رجسٹرڈ ووٹوں کا ۱۴.۴ فیصد P.P نے لئے۔ یعنی ملک کی ۱۴.۴ فیصد آبادی نے P.P پر اعتماد کیا۔ P.P کی حکومت بن گئی۔ یا یوں کہئے کہ جمہوریت کی گت بن گئی۔

جمہوریت کا یہ حال اور اسلام کا یہ حال ہے کہ نصف صدی گزرنے کے باوجود قرآن و سنت کو اسلام کے شیدائیوں نے ملک کا سپریم لا بننے نہیں دیا۔ پھر بھی ملک کا نام

اسلامیہ جمہوریہ پاکستان
پاکستان زندہ باد

شاپ پریس۔

انگریز کی دور اندیشی

Long Term منصوبہ

مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت اور محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی لگاؤ کرنے اور اسے صرف ضابطے کی کارروائی بنانے کے لئے ۱۸۶۰ء میں جو کارروائی کی تھی اس سے ایک اور پہلو پر اثر یہ ہوا کہ اسلام کو مسخ کرنے اور مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنے میں بھی ۱۸۶۰ء کی کارروائی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

مسلمانوں میں اس وقت جو نا اتفاقی پائی جاتی ہے اور اختلافی مسائل پیدا کر کے اور انہیں ہوا دے کر انہیں کفر و اسلام کے مسائل قرار دیا جاتا ہے اس کا سہرا بھی اسی ۱۸۶۰ء کے سر ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں اور جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں بلکہ قانون کی مختلف تعبیرات کو فرقہ کا نام دے کر مسلمانوں کو خوب لڑایا جاتا ہے۔

اپنے اختلافی مسائل پر آپ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ کسی مسئلہ کا تعلق دین سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق۔

۱۔ یا تو گانے سے ہے۔

۲۔ یا کھانے سے ہے۔

۳۔ یا دکھانے یعنی Show سے ہے اور بس۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام مسجد کو کمیں قرار دیا گیا تو رفتہ رفتہ جاہل لوگ اور ان ذاتوں کے لوگ امام مسجد بننے لگے جن کو گھٹیا ذاتیں یا کمیں ذاتیں سمجھا جاتا ہے۔ اب یہ انسانی نفسیات کا مسئلہ ہے ہر آدمی اپنی اہمیت بنانا اور ظاہر کرنا چاہتا ہے دوسرا معاشی مسئلہ ہے کہ ہر شخص پیٹ بھر کے کھانا چاہتا ہے۔ اس لئے ان نئے اماموں نے نئے نئے مسائل ایجاد کرنے شروع کئے۔ مثلاً" کلمہ شریف گانا چاہئے۔ درود شریف بھی گانا چاہئے اور قرآن شریف بھی گانا چاہئے اور اس کے لئے تو خاص راگ پہاڑی مخصوص ہے۔ لاؤڈ سپیکر نے تو اس مسئلہ کو مہمیز کا کام دیا اور Music minded لوگوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اسی طرح کھانے کے موضوع کو لیں یہ تیجا، چوتھا، جمعرات چہلم گیارھویں شریف یہ ان "کمیں اماموں" نے پیٹ کی خاطر ایجاد کئے۔ کسی مسئلہ کا آپ تاریخی جائزہ لیں۔ آپ کو ۱۸۶۰ء سے پہلے ان میں سے کسی مسئلہ کا وجود نہیں ملے گا۔

اسی طرح کے ایک امام صاحب نے اپنی وفات سے کچھ پہلے ایک وصیت نامہ لکھوایا جس میں وصیت نمبر ۱۲ یہ ہے۔

"اعزا سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو۔ مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ، خواہ بکری کا شامی کباب۔ پراٹھے، بالائی، فیرنی، ارد کی پھریری دال مع ادرک و لوازمی۔ گوشت بھری کچوریاں۔ سیب کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف۔" دیکھ لیجئے یہ ہے کھانے کے مسئلہ کی اہمیت۔

اسی طرح دکھانے کے مسائل ہیں۔ ڈرامے، جلوس، روشنیاں، ان میں گانا بجانا، یہ سب "ٹوہر" بنانے کے لئے ہوتا ہے۔ جشن میلاد کو دیکھ لو۔ یہ پہلے صرف سادہ سی "بارہ وفات" کے نام سے تقریب ہوتی تھی۔ پھر اس کو میلاد کا نام دیا گیا۔ دائرہ عمل ذرا وسیع ہوا پھر اسے عید میلاد کا نام دیا گیا۔ مگر عید کے لفظ کے ساتھ ایک "مصیبت" چپکی ہوئی تھی کہ ویسے روزانہ پانچ وقت نماز اور عید کے دن چھ وقت۔ لہٰذا اسے بھی بدلنا پڑا اور اب جشن میلاد ہے۔ کیونکہ جشن کی تعریف یہ ہے کہ جشن وہ ہوتا ہے جس میں ہر شخص اپنی پسند کے مطابق خوشی منائے، ناچے، کودے، گائے اور بہروپ دھارے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ سارے اختلافی مسائل ۱۸۶۰ء کے اثرات ہیں ۱۸۶۰ء سے پہلے ان میں سے کسی مسئلہ کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔ افسوس ہے کہ دشمن کی اس چال کو اب تک مسلمان نہیں سمجھے اور بات یہاں تک پہنچی کہ

مسلمانی در کتاب و مسلماناں درگور

سالانہ اجتماع

۷ جولائی (جمعرات) سے دارالعرفان میں سالانہ اجتماع شروع ہوگا اور ۱۲ اگست تک رہے گا۔

○ تزکیۂ نفس کے لیے صحبتِ شیخ لازمی ہے۔ سلوک میں صحیح راہنمائی، باقاعدہ تربیت حاصل کرنے اور آگے ترقی کیلئے اِس اجتماع میں آپ کا شامل ہونا ضروری ہے۔

○ اِس اجتماع کا مقصد ہی یہ ہے کہ سالکین کی صحیح اور باقاعدہ تربیت کے ساتھ ساتھ صحبتِ شیخ بھی نصیب ہو۔ تاکہ آپ کے قلوب اُن انوارات و برکات سے روشن ہو جائیں جو صرف صحبتِ شیخ سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

○ وطن کے دُور دراز علاقوں اور غیر ممالک سے آنے والے سالکین کے ساتھ میل جول بھی آپ کے لیے باعثِ برکت ہے

وقت نکال کر ضرور دارُالعرفان منارہ تشریف لائیں۔

(دارالعرفان خوشاب اور چکوال کے درمیان
سرگودھا روڈ پر واقع ہے۔)

سوال آپ کا

جواب شیخ المکرم کا

سوال۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست یا بھائی کو ذکر کی طرف راغب کرنے کے لئے اس کو بتائے بغیر توجہ کرتا رہے تو کیا یہ ٹھیک ہے؟

جواب۔ تبلیغ کرنے کی حد تک تو بات سمجھ میں آتی ہے توجہ کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ عمل کے لئے آدمی کا ذاتی فیصلہ ضروری ہے کوئی زبردستی نہیں کرا سکتا اور آپ پکڑ کر کسی سے نماز پڑھائیں گے تو اس کی نماز ادا نہیں ہو گی نہ اس کو اس پر ثواب ملے گا۔ عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی فکر نہیں ہوتی یا مرنے والوں کی ہوتی ہے یا دوسرے رشتہ داروں کی۔ پتہ نہیں ایسا کون کامل آدمی ہے

جو اپنے سارے فرائض سے فارغ ہے اور اب دوسروں کو پکڑ کر سجدے کروانا چاہتا ہے کوئی بات نہیں بنتی ایسے' دعا کی حد تک تو حق بنتا ہے بھائیوں کا دوستوں کا رشتہ داروں کا بھی کہ ان کے لئے اللہ سے دعا کی جائے اللہ انہیں ہدایت دے دے لیکن توجہ کرکے کسی کو کسی کام پہ مجبور کرنا اور بندوق لے کر اس سے کوئی کام کروانا یہ برابر ہوتا ہے۔ صوفی اگر توجہ کریں تو جو توجہ کرکے ذکر کرا سکتے ہیں یہ اگر اس ٹیلی پتھی کی طرح پر بھی توجہ کو استعمال کریں تو لوگوں سے وہ کام کروا سکتے ہیں۔ کسی سے فیصلہ لے سکتے ہیں کسی سے قتل کروا سکتے ہیں لیکن یہ بڑا ٹھوس فیصلہ ہے کہ جو بھی کام کریں اس کے لئے میدان حشر میں ذمہ دار ہونگے یعنی جیسے کسی نے ویسے قتل کر دیا یا اس نے دوسرے پر توجہ کی القا کی اور اسے مجبور کیا وہ کسی کو قتل کر دے جرم برابر ہوگا سزا برابر ہوگی موت میں برابر ہوگا۔ کسی نے گن پوائنٹ پر پیسے چھین لئے یا دوسرے نے کسی پر القا کیا کہ یہ مجھے پیسے دے کر جائے اور اس کی توجہ کی وجہ سے وہ اسے پیسے دے گیا تو جرم ڈاکے کا برابر ہوگا۔ حشر میں اس کا مواخذہ برابر ہوگا۔ تو یہی حال نماز پڑھانے کا بھی ہے پھر اتنا مشکل کام کرنے کی کیا ضرورت ہے گن پوائنٹ تو بندوق میں بولٹ بھرا کہ پڑھ نہیں تو آئی ہے یہ تو کوئی نماز نہیں ہوتی اور میری سمجھ میں نہیں آتا آپ لوگ روز کیوں پوچھتے ہیں یا مرنے والوں کے لئے یا دوسروں کے لئے آپ اپنے سارے فرائض کر چکے ہیں؟ تو پہلے اپنا تو مکمل کیجئے۔ آدمی اپنی ذمہ داریاں پوری کرلے یہ اللہ کی شان ہے اس کا ماحول اس سے متاثر ہوتا ہے اس کے اردگرد والے ویسا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ تو جو اصل کام ہے وہ ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ پہلے دوسرے صحیح ہو جائیں ہماری تو خیر ہے ہم تو ہو ہی جائیں گے۔

سوال۔ دوام ذکر کیسے حاصل ہو؟

جواب۔ دوام توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ کثرت ذکر سے دوام توجہ نصیب ہو جاتی ہے ایک کیفیت نصیب ہو جاتی ہے

جیسے کسی بھی کام کو مسلسل کرنے والے دنیا داری میں بھی آپ دیکھ لیں جواری شرابی بٹیرے لڑانے والے اتنے اس میں منہمک ہو جاتے ہیں کہ وہ گاڑی چلا رہے ہوتے ہی بات اس کی کر رہے ہوتے ہیں کھانا پکا رہے ہوتے ہیں بات اس کی کر رہے ہوتے ہیں کوئی کام بھی کر رہے ہوتے ہیں ساتھ اپنے اس شغل کی بات بھی چل رہی ہوتی ہے تو ان کا ہاتھ کام سے اٹکتا نہیں۔ اس طرح کثرت ذکر سے یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

سوال۔ ۱ کسی ایسے ملک میں جہاں شرعی قوانین نافذ نہ ہوں بلکہ ان کا مذاق اڑایا جائے سود ملکی سطح پر لیا یا دیا جا رہا ہو قحبہ گری کی فیس سرکاری بیت المال میں جا رہی ہو؟

سوال۔ ۲ شراب کا ٹیکس بھی اس کا حصہ ہو حکمران یہود و نصاریٰ کے ایجنٹ اور گماشتوں کی حیثیت سے حکومت کر رہے ہوں اس کے بارے میں شرعی احکام کیا ہیں کیا اسے دارالحرب یا دارا لکفر قرار دیا جائے یا اس سے ہجرت کی جائے۔

جواب۔ ۱ بیت المال الگ ہے اور سرکاری خزانہ الگ۔

جواب۔ ۲ نہ اس سے ہجرت کی جائے نہ دارا لکفر کہا جائے بلکہ جہاں بدکار لوگ حکومت بنا سکتے ہیں تو دینداروں کو بھی شرم آنی چاہیے اور انہیں بھی ایک اتحاد بنانا چاہیے اور انہیں بھی چاہیے کہ یہ اقتدار حاصل کریں آپ کے ملک میں دینی جماعتیں زیادہ ہیں دوسروں کی نسبت اور جتنے افراد دینی جماعتوں کے جو سربراہ ہیں وہ ان سے زیادہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ تو ایسی صورت حال میں ممکن حد تک آدمی کو اصلاح کے لئے خلوص کے ساتھ کوشش کرنی چاہیے نہ چھوڑ دینے سے بات بنے گی اور نہ جرم میں شریک ہونے سے بات بنے گی پورا ملک سود لے رہا ہے تو کسی ایک کے لئے سود لینا دینا جائز نہیں جنہیں شریعت عزیز ہے انہیں چاہیے کہ وہ شریعت میں وہ جان پیدا کریں اپنی عملی زندگی میں کہ اس کا مذاق نہ اڑایا جائے مذاق اس لئے اڑایا جاتا ہے تاکہ جو لوگ شریعت کے نفاذ کا دعویٰ کرتے ہیں خود اپنے کام ان کے کے غیر شرعی ہوتے ہیں۔ تو اس کے لئے بہت بڑی زیادہ جدوجہد کی ضرورت ہے ہمارے ہاں جو کوشش ہوتی ہے وہ ہوتی ہے اقتدار چھیننے کے لئے اور دین میں اقتدار چھیننا ضروری نہیں بلکہ دین کا نفاذ ضروری ہے جو بھی اقتدار میں ہے وہ سیدھا ہو جائے بات ختم۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ اقتدار لے لیا جائے ہماری دینی جماعتوں کی کوشش بھی یہی ہے کہ حکومت ہمارے پاس آجائے حکومت دیتا کوئی نہیں لڑتے یہ نہیں یہ ہمیشہ مانگ کر دینی جماعت بھی بناتے ہیں اور گدا کر کے سارا اس ساری بنیاد اس سارے کام کی گدا پر یا زکوۃ پر یا قربانی کے چمڑوں پر ہوتی ہے تو آپ سورسز دیکھیں دینداروں کے۔ تو اس میٹریل سے کتنی عظیم بلڈنگ بنے گی۔ یعنی اپنا مال تو کوئی لگانے کو تیار نہیں اپنا وقت کوئی لگانے کو تیار نہیں اپنی جان دینے کو تو کوئی تیار نہیں دوسروں کا مال ہو دوسروں کے وسائل ہوں دین ہم نافذ کر دیں گے یہ کونسا دین نافذ کرنے کا طریقہ ہے صرف یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ چندہ دیتے ہیں چند لوگ کھاتے پیتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا سرمایہ ہوتا ہے چند لوگ غیر ملکی سفر کرتے ہیں۔ اور وہ ایک تماشہ بنا رہتا ہے ورنہ اتنا بڑا کام نہیں ہے جتنے دین دار لوگ اس ملک میں ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ دین داروں میں دو طبقے ہیں۔ ایک بہت بڑا طبقہ جس میں بہت بڑے بڑے لوگ ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے ہمیں اپنے نماز روزے سے کام ہے ہمیں اس سے غرض ہی نہیں۔ اور یہ غلط فہمی لاکھوں روپے خرچ کر کے برسر اقتدار طبقہ قائم رکھنا چاہتا ہے بھئی دین داروں کا اس سے کیا غرض ہے آپ اپنی اللہ اللہ کریں۔ اس کے بعد دوسرے جو ہیں وہ اپنا سرمایہ تو لگاتے نہیں، نہ اپنا وقت۔ آپ سیاست دانوں کو دیکھیں ان کی زندگیاں جو ہیں وہ انہوں نے قربان کر دیں۔ انہوں نے عمریں جیل خانوں میں گلا دیں۔ ان کے کارخانے ضبط ہوئے ان کی زمینیں

ضبط ہوتی ہیں انہیں قید کیا جاتا ہے یہ سارا کچھ برداشت کرکے اپنے سیاسی مسلک پہ ڈٹے رہتے ہیں وہ غلط ہے یا صحیح ہے آپ کے سارے دین دار لیڈر کہتے ہیں قربانی کی کھالیں جمع کرو ہمیں صدقے کے پیسے دو ہمیں زکوۃ دو ہم کھائیں پئیں پھر ہم دعا کریں گے ٹھیک ہو جائے گا۔ کتنا فرق ہے ان کے کام کرنے میں اور ہمارے کام کرنے میں۔ یہ تو تب ہوگا جب ہم اپنا مال دیں اپنی جان دیں اپنا وقت دیں اپنی ایفرٹس اپنی کوشش جو ہے اسے ہر آدمی لگائے تب بات بنے گی سیاست دان کو دیکھ لیں عمریں بیت گئیں ان کی اور کوئی دو دن منسٹر رہا کوئی ساری عمر منسٹر رہا ہی نہیں ساری عمر ہی مار کھاتا رہا لیکن وہ اس پہ ڈٹا رہا۔

نواب زادہ صاحب کو دیکھ لیں نصراللہ خان کو کتنی عمر بیت گئی ساری عمر اپوزیشن میں بیٹھے مار کھاتے رہے گالیاں دیتے رہے گالیاں سنتے رہے لیکن وہ ڈٹے ہوئے ہیں میرے خیال میں دس دس سال کی نظر بندی تو ان کی عام بات ہے تو ڈٹے ہوئے ہیں چوہدری ظہورالٰہی مرحوم کو دیکھ لیں کتنی قربانیاں دیں ساری عمر جیل میں بیت گئی کوئی دو ہفتے منسٹر رہا اس طرح عبدالستار خان نیازی صاحب کو دیکھ لیں پچاسی سال عمر ہو گئی اور میرے خیال میں اس آخر میں مرتے وقت اللہ نے کہا کہ پچاسی سال لگا چکا ہے چلو اسے سال ڈیڑھ وزارت بھی دے ہی دیں۔ تو پچاسی سال کا مجاہدہ ہے۔ اور اس میں ان کا سارا سرمایہ سارا وقت ساری کوششیں سارے تعلقات جو کچھ ان کے پاس وسائل ہوتے ہیں وہ سارے اس میں جھونک دیتے ہیں اور جو کچھ پیش آتا ہے اسے برداشت کرتے ہیں وہ اسے جھیلتے ہیں۔ ہم اپنے آپ پہ تو مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تبدیلی چاہتے ہیں ملکی قوانین میں اور حکومت میں یہ کیسے ممکن ہو بھائی۔ یہ دارا لکف بھی ضروری نہیں کہ کسی کی گردن کاٹ دیں۔ یہاں اس سے بھی مشکل جہاد کی ضرورت ہے کہ جو دین دار طبقہ ہے آپ اسے یہ احساس دلائیں کہ اسے کرنا کیا ہے یہ بھی نہیں کہ یہاں کوئی دین دار تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ دس بارہ پرسنٹ یا پندرہ پرسنٹ جو ہیں وہ بدمعاش ہیں۔ اور لٹیرے ہیں اور پانچ پرسنٹ حکمران ہیں۔ دو چار پرسنٹ جو لوگ ہیں وہ حکمران ہیں۔ تو آپ اگر پچاسی پرسنٹ نوے پرسنٹ پانچ پرسنٹ کے مقابلے میں متحد نہیں ہو سکتے تو پھر دارا لکف ہمارے اندر ہے ملک میں تو نہیں ہے ہم میں پھر کونسا اسلام ہے کہ ہم اگر کسی ایسے اہم قومی کام پہ بھی جمع نہیں ہو سکتے تو پھر ہم میں کونسا اسلام ہے۔

سوال۔ بعض اولیاء اللہ کے بارے سنا گیا ہے کہ ان کے اعضاء الگ الگ ذکر کرتے دیکھے گئے بازو جسم سے الگ پڑے ہیں ٹانگیں الگ سر الگ دھڑ الگ دور دور پڑے دیکھے گئے لیکن پھر وہ زندہ ہو جاتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

جواب۔ سنا تو میں نے بھی ہے دیکھا کوئی نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ یہ ایک مراقبہ ہوتا ہے **فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** میں کہ جسم کا ہر عضو الگ الگ ہو کر ذکر کرتا ہے اور بعض اوقات وہ مراقبہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ جسم ہوتا سلامت ہے لیکن اس مراقبے کے اثر سے دیکھنے والے کو بھی الگ الگ نظر آتا ہے فی الواقعہ جسم الگ نہیں ہوتا آپ جن کی باتیں سنتے ہیں وہ لوگ پوری عمریں بتا دیتے تھے ایک ایک کام کو کرنے میں۔ شروع شروع میں جب ساتھیوں کو مشاہدات ہوتے تو **حضرت رحمتہ اللہ علیہ** ایک گاؤں کے ساتھ ایک بزرگ کی قبر ہے وہاں لے جاتے برزخ میں کلام کیسے کی جاتی ہے یہ سکھانے کے لئے عموماً" ان سے بات شروع کراتے۔ تو وہ بزرگ جو تھے وہ فرماتے تھے کہ میں پندرہ سال اپنے شیخ کے پاس رہا دہلی میں اور پندرہ سال کے بعد انہوں نے مجھے **فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** میں اجازت دی کہ اب جا تو سکتے ہو لیکن اپنے علاقے اور اپنے گھر کی طرف مت جانا کہ وہاں پھر تمہارے دنیوی معاملات اور تعلقات تمہیں اپنی طرف لگا لیں گے اور یہ نعمت چلی جائے گی تو باقی عمر اس طرح میں نے پھرتے گزار دی یہاں فوت ہوا اور دفن ہو گیا۔ نہ کام کر سکے نہ شادی کر سکے۔ نہ گھر بنا سکے نہ واپس گھر ہی جا سکے۔ پندرہ برس

سیکھنے میں لگائے باقی چالیس پینتالیس برس اسے سنبھالنے میں صرف کر دیئے۔ تو جو لوگ اس طرح ایک ایک مراقبے میں بیس بیس سال لگا دیتے تھے ان کے وہ مراقبات اتنے مضبوط ہو جاتے تھے کہ بعض اوقات دیکھنے والے کو ان کا ظاہری جسم بھی اس حال میں نظر آتا تھا۔ تو اس میں وہ مرنے زندہ ہونے کی بات نہیں ہے وہ صرف ایک مشاہدہ ہوتا تھا۔

سوال۔ قران حکیم کی یہ آیہ کریمہ **عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ الرَّحِيمٌ** کے مخاطب کیا صرف صحابہ ہیں یا آج کے مومنین بھی ہیں۔

جواب۔ میرے بھائی قران حکیم اپنے نزول سے لیکر ہمیشہ کے لئے جب تک یہ جہان قائم ہے اور جو اس میں بندہ پیدا ہو رہا ہے ان سب کو خطاب کرتا ہے۔ **عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ** اس میں اولاد آدم شامل ہے صرف مومن نہیں۔ یہ انسانیت کو خطاب ہے کہ نبی علیہ السلام نبی نوع انسان کے لئے اتنا کریم ہے کہ کافر کے کفر پر بھی انہیں یہ تکلیف ہوتی ہے کہ یہ جہنم نہ جائیں کافر برائی کرتا ہے کافر گناہ کرتا ہے کافر اللہ سے کفر کرتا ہے تو کافر کی یہ حرکت بھی نبی اتنا کریم ہے **صلی علیہ وا لہ وسلم** کہ نبی پاک **صلی ا للہ علیہ وا لہ وسلم** کا قلب اطہر جو ہے وہ اس کے لئے بھی دکھ محسوس کرتا ہے کہ آخر یہ اللہ کا بندہ ہے یہ انسانیت کا ایک فرد ہے کاش یہ بھی بچ جاتا جہنم میں جانے سے۔ **حَرِيصٌ عليكم**۔ اس معاملے میں حرص کی حد تک جاتا ہے اور اولاد آدم کو خطاب ہے اس میں کافر بھی شامل ہیں کہ ان کے حق میں بھی نبی **علیہ الصلوۃ والسلام** لالچ کی حد تک جاتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ جو ہیں وہ آگ سے بچ جائیں جہنم جانے سے بچ جائیں اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ یہ کرم آپ **صلی علیہ وا لہ وسلم** کا ان کے ساتھ ہے جو آپ **صلی علیہ وا لہ وسلم** کی بات نہیں مانتے یقین نہیں کرتے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور بات ان لوگوں کی آگئی جو ایمان لے آتے ہیں پھر ان میں کمزوری خرابی خطا یہ جو کچھ ہوتا ہے ہے اس کے لئے **وبا لمومنین** اور ایمان والوں کے ساتھ **روف رحیم**۔ درگزر کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں تو ان کی خطاؤں کے لئے دعا بجائے اس کے کہ کسی سے خطا ہو جائے تو اسے **بارگاہ نبوی کریم صلی علیہ وا لہ وسلم** سے نکال دیا جائے بلکہ اس کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے ہیں۔ اس کے لئے اصلاح کی دعا فرماتے ہیں۔ اور اس کے لئے متوجہ رہتے ہیں۔ ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمناں نظر داری

کہ تیرا کرم تو اتنا دشمنوں پہ احسان فرماتا ہے تو دوستوں کو تو کیسے محروم فرما سکتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

تو یہ معاملہ جانبین سے ہوتا ہے ایک آدمی اگر مسلسل بانٹ ہی رہا ہے اور دوسرے کا ہاتھ ہی الٹا ہے تو وہ اس کے ہاتھ سے پھسل پھسل کر بھی گرتے رہتے ہیں۔ صرف دینے والے کی بات نہیں ہوتی بات لینے والے کی بھی ہوتی ہے۔ خطا کا ہو جانا یہ امکان ہر انسان کے ساتھ موجود ہے سوائے **انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام** کے لیکن صرف خطا پہ زور دینا مناسب نہیں اس رحمت بخشش مغفرت کی طلب کے لئے بھی اپنا دامن پھیلانا چاہیے۔ اور دامن پھیلانا جو ہوتا ہے وہ ہے **اطاعت** کرنا اتباع سنت کرنا حضور اکرم **صلی ا للہ علیہ وا لہ وسلم** کے ارشادات کو حرز جاں بنانا تو خطا ہو جائے تو اس سے استغفار کرنا اس کا تدارک کرنا اور آئندہ اس سیکھنے کی کوشش کرنا یہ تقاضائے ایمان ہے اور جس شخص کو اس طرح کا طرز عمل نصیب ہو جائے تو اس کے لئے نبی **اکرم صلی ا للہ علیہ وا لہ وسلم** کی رحمت بہت کافی ہے لیکن اگر کوئی اعراض برتے اور اپنے آپ کو اس کا ضرورت مند ہی نہ سمجھے اور کہے ہو جائے گا گزارا تو پھر اس کا طرز عمل ایسا ہو تو پھر محروم رہے تو پھر وہ اس بندے کا قصور ہے اس طرف سے رحمت میں یا بخشش میں کمی نہیں ہے۔

سوال۔ دفاع صحابہ رضوان **ا للہ تعالے علیہم اجمعین** میں جو مسلمان شہید ہوتے ہیں ان کو غسل دیا جانا چاہیے

کہ نہیں؟

جواب۔ یار آج کل کی جو شہادت ہے اس کا تو بڑا رولا ہے۔ ایک وقت تک جب شہادت حتمی اور یقینی ہوتی تھی جب قیادت مسلمانوں کے پاس مخلص ہوتی تھی اور ان کی ہر لڑائی دین کی سر بلندی کے لئے ہوتی تھی تو شہادت بھی ہر ایک کو نصیب ہوتی تھی۔ آپ اس دور میں ہماری سیاسی قیادتوں سے لیکر مذہبی قیادتیں تک ان میں ذاتی اغراض زیادہ آگئی ہیں اور دینی جو کام ہے اس کو بہت سے لوگوں نے ڈھال بنا لیا ہے اب دفاع صحابہ میں کہتے ہیں مسلمان شہید ہوتے ہیں تو ہمارے ایک رشتہ دار ہیں یہاں گوجرانوالے میں انہیں ایک دینی جماعت نے نائب امیر بنایا اس نے کسی شریف بندے کی نہ عزت رہنے دی ہے نہ کسی کی بیٹی رہنے دی ہے نہ کسی کا باپ رہنے دیا ہے کوئی پچاس قتل کر چکا ہے اب اسے پولیس گھر میں بیٹھنے نہیں دیتی تھی رشتہ داروں نے بھی ہاتھ اٹھا لیا کہ ہم تیری مدد کرکے تھک گئے تو جان اور تیرا رب جانے اس کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں تھی وہ اس دینی گروہ کا نائب امیر بن گیا ضلع کا تو اب اسے وہ مار دیں جن کے اس نے قتل کئے ہوئے ہیں تو آپ اس غریب کو غسل بھی نہ دیں کہ شہید ہو گیا۔ کچھ تو اس کے ساتھ کریں کہ کوئی صورت تو بنے تو میں اپنے گھر کی مثال دے رہا ہوں کہ دوسرے کو کہنے کی بجائے ایسی بات کی جائے جو اپنے اوپر آتی ہو ورنہ اور بھی بہت سے ایسے لوگ میرے علم میں ہیں جو دشمنوں سے گھبرائے ہوئے چوریوں سے تھکے ہوئے ڈاکوں کے مارے ہوئے اب وہ اس میں آگئے کہ ہم صحابہ کا دفاع کر رہے ہیں تو شہادت کے لئے خلوص کے ساتھ محض اللہ کی رضا کے لئے یا دین کی سر بلندی کے لئے قربانی دینے کا نام شہادت ہے یہ معاملہ تو ایک محاذ پر لڑنے والے لوگوں کا بھی مختلف ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم **صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم** تشریف فرما تھے۔ اور کسی نے عرض کی یارسول **اللہ صلی علیہ وا لہ وسلم** فلاں شخص بہت بے جگری سے لڑ رہا ہے آپ **صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم** قیادت فرما رہے تھے گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی غالباً احد ہی کا معاملہ ہے اور بڑے گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ اور حضور **صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم** قیادت فرما رہے تھے اشارات فرما رہے تھے ادھر سے ادھر سے پیچھے ہو تو کسی نے آپ **صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم** کو نشان دہی کی ایک آدمی کی کہ حضور **صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم** دیکھیے ذرا اس کو دیکھئے کیسی شان سے لڑ رہا ہے ہاں آپ **صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم** نے فرمایا لڑ تو رہا ہے لیکن یہ جہنمی ہے بات ختم ہو گئی کسی کو دہرانے کی جرات تو نہیں تھی لیکن وہ صحابی جو یہ روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے حیرت ضرور ہوئی کہ ایک آدمی حضور **صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم** کی قیادت مین مشرکین کے ساتھ برسر میدان نبرد آزما ہے پھر یہ جہنمی کیوں ہے اس کے جہنمی ہونے میں تو مجھے شبہ نہیں رہا کہ حضور **صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم** نے فرمایا دیا جہنمی ہے جہنمی تو ہے لیکن ایسا کیوں ہے کہ بظاہر صورت تو بڑی اچھی ہے تو پھر وہ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں اسے تاڑتا رہا بڑی بے جگری سے وہ لڑا اسے زخم لگے وہ زخمی ہوا وہ گر گیا میں نے چاہا میں اس تک کوئی پانی وانی پہنچاؤں میں اسے دیکھوں جب قریب پہنچا تو اس نے اپنے آپ کو اٹھایا اپنے ترکش سے تیر نکالا زمین پر رکھ کر اس پر اپنا سینہ دل کی جگہ رکھ کے خود کو اس پر گرا دیا اور خود کشی کرلی۔ تو جب جنگ شروع ہوئی تو فرماتے ہیں میں نے بارگاہ نبوی **صلی اللہ علیہ وسلم** میں عرض کی یا رسول اللہ **صلی اللہ علیہ وسلم** وہ تو حرام موت مرا لڑ تو اسلام کے لئے تھا۔ جہاد میں رہا تھا لیکن مرا تو خود کشی کر کے تو آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** نے فرمایا وہ اسلام کے لئے نہیں وہ اپنی شجاعت کا سکہ بٹھانے کے لئے لڑ رہا تھا کہ میں اتنا بہادر ہوں۔

اب اگر احد میں ایسا آدمی پایا جا سکتا ہے جو حضور اکرم **صلی اللہ علیہ وسلم** کی قیادت میں مشرکین مکہ کے خلاف خلوص سے نہیں لڑ رہا تو آج کے ہر مرنے والے کو شہید

اور اسے غسل ہی نہ دینا یہ تو زیادتی ہے کچھ نہ کچھ ان کے ساتھ غسل جنازہ کرتے رہو غریبوں کے ساتھ پتہ نہیں کس کس سول میں جا کر مرتے ہیں کیا ان کا عندیہ ہوتا ہے انہیں مارتا کون ہے کوئی صحابہ کا دشمن مارتا ہے یا کوئی اور مار جاتا ہے جس کا پہلے انہوں نے قتل کیا ہوا ہوتا ہے کوئی یہ سمجھ بھی نہیں آتی آج کل شہادت کا بھی رولا ہے بھائی۔

جواب۔ تصوف میں جو علمائے تصوف ہیں اور محققین جو ہیں وہ بنیادی بات جو کرتے ہیں نا وہ یہ ہوتی ہے کہ اس موضوع پر بات کرنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر** ایسے لوگ نہیں سمجھتے وہ سمجھتے ہیں جی لوگ سمجھتے ہیں لیکن اس حد تک جہاں تک بات ان کے دائرہ اختیار میں ہوتی ہے دو چار دس بندے مل کر جو کام کر لیتے ہیں وہ کام قدرت کی طرف سے ہو جائے تو وہ کہتے ہیں ٹھیک ہے اللہ نے کر دیا لیکن کوئی ایسا کام جو بندے نہ کر سکیں وہ اللہ کے لئے بھی ماننے کو تیار نہیں کہتے ہیں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بات صوفیوں کی بڑی کھری ہے لوگ اپنی عقل پر اپنے قیافے پر اپنے اندازے پر قیاس کرتے رہتے ہیں چلو مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا لیکن حکومت کر سکتی ہے یا دس پانچ آدمی مل کر کر سکتے ہیں یا کوئی امیر کر سکتا ہے تو اس طرح کا کوئی کام ہوتا رہے یا سائنس دان کر لیتے ہیں یا کوئی اور اس طرح کا کام ہوتا رہے تو پھر کہتے ہیں ٹھیک ہے جی قدرت نے کر دیا ہے لیکن جب بات اس سے بڑھ جائے تو پھر انہیں یہ شبہ پڑنے لگتا ہے کہ اللہ سے یہ کام تو ہو نہیں سکتا یہ کیسے ہو گیا یا یہ کیسے ہو سکتا ہے تو اس طرح کی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اس لئے فرمایا کہ ایہ کریم جو ہے نا قرآن حکیم کی **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر** یہ جو ہے نا اس سے پہلے خوب اس پر غور کر لیا جائے تو پھر بات آگے بڑھتی ہے۔

سوال۔ اب یہ سوال ہے کہ احدیت عرش کا دروازہ ہے تو معیت اقربیت کس کا دروازہ ہے؟

جواب۔ بھلا یہ آپ سے کس نے کہا کہ معیت کو بھی دروازہ ہونا چاہئے اقربیت کو بھی دروازہ ہونا چاہئے الر آپ ایک حویلی کے ایک دروازے سے داخل ہوتے ہیں تو اگلا کمرہ کس کا دروازہ ہے اس سے اگلا کمرہ کس کا دروازہ ہے اس سے اگلا کس کا دروازہ ہے تو یہ تو بے تکی سی بات ہے میرے بھائی۔ منازل جو ہیں تصوف کے اور قرب کے یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں ان کے متبعین کو نصیب ہوتے ہیں نبی اکرم **صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم** کا وجود مسعود ان بلندیوں پر تشریف لے گیا آپ **صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم** کا مادی وجود جو تھا وہ اتنا لطیف اتنا منزہ اتنا روشن تھا کہ جہاں وجود تشریف لے گیا۔ تھا تو مادی ہی لیکن وہ اس نور سے لطیف تھا جس کے لئے آپ زور لگاتے رہتے ہیں کہ حضور **صلی اللہ علیہ والہ وسلم** کو نور مانا جائے اس نور سے آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** کا مادی وجود پاک لطیف تھا کیونکہ فرشتے کے تو نور ہونے میں کوئی شبہ نہیں نا نوری مخلوق ہے تو جبرائیل امین علیہ السلام اللہ کے وہ فرشتے ہیں جو سب فرشتوں کے سالار اور سردار ہیں۔ تو آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** کا وجود پاک جو تھا وہ اتنا لطیف اتنا منور اور اسقدر تجلیات باری سے مصفیٰ اور منور تھا کہ وہ اس سے بہت آگے تشریف لے گئے۔ آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** کا یہ تشریف لے جانا آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** کے متبعین کی ارواح کے لئے قرب الٰہی کے منازل کا راستہ بنا گیا۔ تو جس طرح آپ پڑھتے ہیں احادیث میں مختلف انبیاء علیہ السلام کا مختلف آسمانوں پر تو انبیاء علیہم السلام ان آسمانوں پر اگر تشریف رکھتے ہیں تو اپنے وجود پاک کے ساتھ ان کی اپنی اپنی منازل ہیں کہ کس کو اللہ کریم نے کہاں پر مقرر کر دیا چونکہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو موت جسم سے الگ نہیں کرتی ان کے وجود بھی زندہ ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے وجود کا عرش پر آسمان پر یا زمین پر ایک وقت میں مختلف اوقات میں جگہ ہونا پھر یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اسے تصوف میں تعداد امثال کہتے ہیں کہ ایک وجود کی متعدد صورتیں ایک وقت میں متعدد مقامات پر موجود

ہوتی ہیں پھر یہ قدرت باری کی بات تو اس کمال کا پر تو جب کسی کو نصیب ہوتا ہے کسی کی روح میں آتا ہے تو ان بلندیوں تک پہنچنے کی سعادت حاصل کرتی ہے اب ان میں جو راستے جو جگہیں ہیں ان کی جو کیفیات ہیں ان کے اعتبار سے ان کے نام رکھ دیئے گئے ان کے نام منزل من اللہ نہیں ہیں لیکن جو کیفیت اس ایہ کریم نے جو احدیث باری پہ دلالت کرتی ہے اور الہ واحد پہ جو دلالت کرتی ہے اس پہ جو کیفیت پیدا ہونی چاہیے جس جگہ جا کر روح محسوس کرتا ہے اسے اس جگہ کا نام احدیت رکھ دیا گیا اور مراقبہ احدیت کا اثر عملی زندگی میں یہ ہونا چاہئے کہ آدمی توحید باری پہ قائم ہو جائے اسے اس میں کم از کم کوئی شبہ نہ رہے اس طرح جہاں معیت **وَ هُوَ معکم اَیْنَ مَا کُنْتُم** اس کی جو فیلنگ آنی چاہئیں۔ اس کے جو محسوسات آنے چاہیں اس کی جو کیفیت انسانی وجود اور عملی زندگی میں آنی چاہئے وہ جہاں تک روح کی رسائی ہوئی اور وہاں تک کے انوارات و تجلیات اسے نصیب ہوں تو وہ عملی زندگی میں آجاتی ہیں۔ تو وہ اس مقام کا نام اس ایہ کریم کے اعتبار سے اس طرح اقربیت بھی ہے۔

تو عرش عظیم آسمانوں کی چھت سے اوپر ہے اور پھر یہ بہت وسیع ہے جیسے حدیث شریف میں ہے ساری کائنات کو ملا کر عرش کے مقابلے میں لایا جائے تو ایسے جیسے کسی صحرا میں کوئی ایک انگشتری پھینک دی جائے تو کائنات کی وسعتیں کسی سے ماپی نہیں جا سکتیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ اس میں آسمان سے نیچے نیچے اس میں کتنے سیارے کتنے ستارے کتنی فضا کتنی دنیائیں کتنی زمینیں کتنا کچھ ہے وہ اس کے جھگڑے چل رہے ہیں سمجھ نہیں آتی تو ان کی وسعتوں کو کون ماپ سکتا ہے اب وہ جسے کبھی ایک عرش کہہ دیا جاتا ہے کبھی عرش عظیم کہتا ہے وہ پوری دنیا و مافیہا کو قلیل کہتا ہے سارے زمانوں اور انسانی ساری زندگیوں کو ملا کر وہ کہتا ہے یہ تو چند روزہ کھیل ہے تم اس میں کیوں الجھ گئے اور اس ساری کائنات کے مقابلے میں اسے عظیم کہتا ہے تو اس کی وسعتوں کا کوئی اندازہ نہیں تو اس کی وسعتوں میں یہ مختلف منازل یہ مختلف مدارج مختلف کیفیات کے اعتبار سے ---- ہے تصوف کا اور ان کے مشاہدات اور ان کی کیفیات کا کام تو جب یہ کہا جاتا ہے کہ سالک المجزوبی کے بعد عرش شروع ہوتے ہیں سالک المجزوبی کے منازل آسمان کی چھت اور عرش عظیم کے ایک خاص منزل کے ایک خاص حصے کے درمیان ہیں تو سالک المجذوبی تک احدیت معیت اقربیت یہ مختلف کیفیات کے منازل کا چونکہ وہ ایک تعین کی جاتی ہے اس حد تک سالک المجزوبی سے اوپر جو منازل آتی ہیں ان کی کسی کیفیت کے ساتھ تعین نہیں کی جاتی صرف عرش کے منازل کہا جاتا ہے اس لئے کہہ دیا جاتا ہے عرش کے منازل سالک المجذوبی سے آگے شروع ہوتے ہیں۔

سوال۔ مسجد نور کس لئے بنائی گئی نمازی تو زمین پر ہیں کیا وہاں بھی کوئی امامت خطابت کا سلسلہ ہے؟

جواب۔ مسجد کے لئے آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ ساری زمین مسجد ہے اور ساری زمین پر خلافت ہے کوئی سارے نمازی ہر جگہ ہیں جہاں کافر بستے ہیں زمین وہ بھی مسجد ہے۔ جو آپ نے کفر کے لئے چھوڑ رکھی ہے **جَعلَی الا رض مسجدا " و طَهُوْرا "** او کمال **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ۔** آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ میری بعثت کے بعد اللہ نے ساری زمین کو مسجد بنایا اسی لئے ہم کسی کافر ملک میں بھی ہوں تو وہاں بھی زمین پر نماز اس لئے پڑھ لیتے ہیں کہ وہ ساری مسجد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں زمین کے صرف اس حصے پر نماز پڑھنی جائز ہوتی تھی جس پر وہ باقاعدہ نشان لگا کر اسے مسجد قرار دیتے تھے تو بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ساری زمین اللہ نے کیوں مسجد بنا دی اب وہاں کوئی ہر جگہ نمازی ہیں خطابت امامت ہے۔ وہاں تو اللہ کو جانتا بھی کوئی نہیں۔ نام بھی کوئی نہیں لیتا۔ اس زمین کو بھی مسجد بنا دیا مسجد سے مراد ایک خاص جگہ ہوتی ہے کہ جہاں

سوائے عظمت الٰہی کے ادراک کے دوسری طرف لوگ متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ۔ یعنی ایک خاص حصہ جہاں ایک خاص حضور کا ادراک ہوتا ہے۔ تو بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اللہ کریم نے یہ برکات سارے روئے زمین میں دے دیں۔ اب آپ کہیں بھی سجدہ کرتے ہیں تو وہ کیفیات وہ ادراکات وہ اس کی قبولیت وہ ہوتی ہے اس سے پہلے صرف جو مخصوص خطہ بنایا جاتا تھا۔ تو اسی طرح وہاں بھی ایک خاص حصہ ہے جس میں یہ کیفیات جو ہیں وہ بہت زیادہ مترشح ہوتی ہیں اور بہت زیادہ وصول ہوتی ہیں اور بہت زیادہ نورانیت ہے تو اس کا نام صوفیوں نے ایک دوسرے کو سمجھانے کے لئے یا اس کی ایک جگہ کی نشان دہی کے لئے مسجد نور رکھ دیا۔ وہاں آپ کو مولوی کوئی نہیں رکھے گا۔ بے فکر رہیں۔ ایہہ ایتھوں چھوڑ کے جاؤ ہونا نا ایہہ نہیں نا دیندے ہونیں زمیندار دانے شانے اس دا خیال ہوسی میں اوتھے ٹر جاں۔

سوال۔ یہاں کسی ساتھی نے تعویذ نہ صاحب مجاز سے لیا ہے نہ کوئی صاحب مجاز دیتا ہے نہ کوئی صاحب مجاز بیعت لیتا ہے نہ کوئی دوران ذکر شعر و شاعری کرتا ہے۔ یہاں بیس دن ہو گئے کسی نے کوئی شعر نہیں پڑھا البتہ جو ذکر شروع کرتے ہیں وہ بعض اوقات ایک دفعہ اللہ اللہ کہہ دیتے ہیں۔ سوائے حضرت حافظ صاحب کے کسی صاحب مجاز کو تعویذ دیتے یا لکھتے نہیں دیکھا گیا غالباً" حافظ صاحب کو اجازت ہو گی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح آپ کو سوال لکھ کر غصہ دلا کر بے سرپا باتیں مارتے تصوف سیکھ سکتا ہے آدمی۔

جواب۔ نہیں مجھے غصہ نہیں آتا اور سوال پوچھنے کی ہر آدمی کو اجازت ہوتی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ کسی کا نام لے کر تو کسی نے نہیں کہا کہ فلاں آدمی یہ کام کر رہا ہے۔ حضرت حافظ صاحب بزرگ آدمی ہیں اور حضرت حافظ صاحب نے ساری عمر حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ گزاری ہے اور ان کو اجازت ہے یا نہیں وہ ان کا ان کے شیخ کا معاملہ ہے انہیں مجھ سے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ ان کی ساری عمر حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ گزری ہے اور بھی اگر کوئی شخص لکھ کر دیتا ہے تو میں نے صرف یہ کہا ہے کہ میں نے کسی کو نہیں سکھایا کوئی لکھ کر دیتا ہے تو اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اگر اس سے فائدہ ہو یا نہ ہو تو آپ کل مجھے نہ کہیں۔ وہ اس کی ذمہ داری ہے اگر میں لکھ سکتا ہوں تو کوئی دوسرا بھی لکھ لے تو اس میں کیا حرج ہے لیکن اس میں صورت یہ ہے کہ وہ کام جائز ہو وہ آیت قرآن کی یا الفاظ درست ہوں اس کا مفہوم درست ہو پھر لکھنے والے میں وہ استعداد ہو کہ لکھ کر دے تو اس میں وہ برکت آئے۔ تو میں نے یہ بڑا سیدھا سا بتایا ہے کہ یہ لکھنے والے کی اپنی ذمہ داری ہے اور مجھے غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے میرا تو سیدھا سیدھا کام ہے جو میرے ذمے ہے وہ میں سکھا دیتا ہوں۔ اس کے بعد اگر کوئی اضافے کرتا ہے تو وہ اس نے اپنی قبر میں جانا ہے میں اپنی قبر میں اسے تھوڑا گھسنے دوں گا۔ ہر کوئی اپنا اپنا جواب دے گا۔ جہاں تک سوال کرنے کا تعلق ہے تو سوال کرنے کی یا تو ہم سرے سے یہ سوال و جواب کا سلسلہ نہ کریں اگر کریں گے تو سب کو اجازت ہے میری ذات کے متعلق یہ سارے سوال تو میری ذات پہ آتے ہیں کتاب میں تصویر کیوں چھپی۔ میری ذات پر ہی آتا ہے میں اس کا اپنا جواب دیتا ہوں۔ ٹیلی ویژن کا ہیر پھیر کر سارا مجھی سے پوچھتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ میں ٹیلی ویژن دیکھتا ہوں اور میں ٹھیک کرتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ زمانہ جو ہے یہ ہر آدمی کا ایک اپنا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس خلوص کے ساتھ کونسا کام کر رہا ہے۔

سکھوں اور مجاہدین کی جنگ میں جو بیرہ تھا رنجیت سنگھ کا اس کے منہ سے ایک دفعہ غلطی سے الحمد للہ نکل گیا تو وہ پکڑا گیا بہت بڑا دیندار مسلمان تھا اور برسوں اس نے گزار دیئے سکھوں کے ساتھ، پوجا کرتے ہوئے، سکھوں کی روٹیاں پکاتے ہوئے، سکھوں کے ساتھ سکھ بن کر رہتے ہوئے، اس کے باوجود نہ اس کے عقیدے میں فرق آیا نہ اپنی نمازیں

چھوڑتا تھا خواہ قضا پڑھ لیتا تھا لیکن ساری اطلاعات فوجی جو ہیں وہ رنجیت سنگھ سے لے کر مجاہدین کو پہنچاتا تھا۔ اللہ کے نزدیک تو میں سمجھتا ہوں کہ دین کا کام وہ زیادہ کر رہا تھا اس کی نسبت جو محض مسجد میں بیٹھا دعا ہی کر رہا ہے وہ کسی مجاہد کو کھانا دینے کے لئے بھی نہیں جا سکتا۔ موجودہ دور جو ہے یہ آپ کو بھاگنے سے نہیں چھوڑے گا۔ آپ کو حقائق کا سامنا کر کے اس میں راستہ بنانا ہو گا اس میں اس پوچھنے پر ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میری ذات پر کوئی سوال کرے ناراض نہیں ہوتا اسے جواب دیتا ہوں تو دوسرے کے لئے مجھے ناراض ہونے کی کیا تک ہے اور اگر ناراض ہونا ہے تو یہ سوال جواب کا سیشن ہی نہ ہو پھر کسی کی جرات ہے ہم کہیں گے کہ جس نے پوچھنا ہے بھاگ جاؤ یہاں سے تو کون پوچھے گا بھائی۔ اس میں یہ ناراض ہونے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے اور بات صاف ہو جاتی ہے اور بات ذہن میں اور دل میں رکھی جائے تو منافقت پیدا کرتی ہے تو زبان پر روبرو آجائے تو وہ حل ہو جاتی ہے پوچھنے والوں کا بھی بھلا ہوتا ہے کہ شاید وہ کسی کے بارے بدگمانی میں مبتلا ہوں تو سوال پوچھ کر ان کا گمان بھی نیکی میں بدل جاتا ہے اس لئے اس میں کوئی، فکر کی بات نہیں۔

صاحب مجاز حضرات جو ہیں اگر ان کا احترام مجھے کیا مشائخ کو نہ ہوتا تو انہیں صاحب مجاز بناتا کون۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی بھی آدمی سوال و جواب سے بالا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑا جا سکتا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جا سکتا ہے تو ہم تم کون ہوتے ہیں بھائی ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ پوچھے کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں اس سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں جب کہ اس کی وضاحت یا اس کا اپنی سمجھ میں اس کا جو جواب ہے دینا چاہئے اب اگلے پر ہے کہ وہ مانتا ہے نہیں مانتا اسے بھی نہ ماننے کا حق حاصل ہے وہ اپنی صوابدید پہ عمل کرتا رہے۔

میں واپس آ رہا تھا پیدل حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ سے مل کر علی الصبح میں وہاں سے نکلا تو دندہ شاہ بلاول سے بس پکڑتے تھے ہم لوگ چار پانچ میل میں اکیلا تھا تو آٹھ دس آدمی حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے مخالف پارٹی کے آ رہے تھے ادھر ہی مسلح تھے سارے۔ ہم اکٹھے ہو گئے اتفاقاً" ویسے ہی انہوں نے مجھ سے پوچھ لیا جانتے تو نہیں تھے مجھے کہ آپ کہاں گئے تھے میں نے بتایا تو وہ کہنے لگے کہ بھئی آپ لوگ مولوی صاحب سے ملنے آ جاتے ہیں تو مولانا اچھے آدمی تو نہیں ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی کیا وہ بھی کیا فلاح فیصلہ غلط کیا فلاں آدمی کے ساتھ زیادتی کی فلاں لڑائی میں حصہ لیا فلاں جھگڑا ان کی وجہ سے ہوا فلاں جگہ یہ کیا بڑا لمبا انہوں نے جو چارج شیٹ جسے کہتے ہیں نا جو ان کے ذہن میں تھی انہوں نے۔ وہ جب ساری سنا چکے تو میں نے کہا ان میں سے تو کسی کام کے لئے میں نہیں آتا ہوں میرا ان کاموں سے کیا کون لڑتا ہے کس سے لڑتا ہے کب لڑتا ہے کون صحیح ہے میرا تو نہیں تعلق تو آپ کیوں آتے ہیں۔" میں تو تصوف سیکھنے آتا ہوں تو وہ اگر آپ میں سے کوئی آدمی سکھا سکتا ہے یا جانتا ہے تو بتایئے پھر میں دیکھتا ہوں کہ مولانا کو کتنا آتا ہے آپ کو کتنا آتا ہے تو جو زیادہ اچھا ہو گا اس کے پاس چلا جاؤں گا مجھے تو ایک چیز حاصل کرنا ہے ایک چیز سیکھنا ہے۔" ہمیں تو نہیں آتا میں نے کہا آپ کو نہیں آتا تو جو باتیں آپ کر رہے ہیں اس کا مجھے کوئی پتہ نہیں میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جو چیز میں ان سے لینے آتا ہوں اسے وہ بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔ میرا کام ہو رہا ہے۔ یہ معاملات ان کے اور آپ کے ہیں۔ ان میں میرا کیا دخل کون کھرا ہے کون نہیں ہے۔ مجھے تو علم ہی نہیں ہے اس علاقے میں کیا ہو رہا ہے کون آدمی کیسا سوچتا ہے کون آدمی کس کا مال کھا گیا۔ کس نے کس سے فتویٰ لیا اس سارے سے تو مجھے کوئی تعلق نہیں نہ میں لوگوں کو جانتا ہوں نہ ان کے کردار کو جانتا ہوں۔ ایک بات میں جانتا

ہوں، جس کام کے لئے میں آتا ہوں ایسا آدمی دوسرا نہیں ملتا ہاں کہنے لگے یہ تو ہے میں نے کہا بس ٹھیک ہے۔ پھر بات صاف ہو گئی، پھر جھگڑا کس بات کا۔

تو میرے بھائی کوئی بھی آدمی کسی دوسرے کو پرفیکٹ نہیں دیکھتا۔ اس لئے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا شاید دوسرے کے پاس جواب موجود ہو لیکن ہم اسے ناجائز ہی سمجھ رہے ہوں۔ اولیاء اللہ میں ایک پورا سلسلہ ایک اور پورا طبقہ گزرا ہے۔ جنہیں ملامتی کہتے تھے اور بڑے مشہور تھے آج کل تو یہ جو ملامتی کہلاتے ہیں نا یہ واقعی جرم کرتے ہیں اور انہوں نے انہیں بھی بدنام کر دیا وہ لوگ ایسا کرتے تھے کہ جو کام ان کے لئے شرعاً" جائز ہوتا تھا وہ دوسروں کو وجہ بتائے بغیر اس کا اظہار کر دیتے تھے، مثلاً" مسافر ہے اسے روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے تو سر بازار روٹی پکڑ کر کھانا شروع کر دیں گے تاکہ لوگ ملامت کرتے رہیں اور ہمارے قریب نہ آئیں اور شرعاً" جرم نہ ہو۔ تو روزہ تو قضا کرنے کی اسے اجازت تھی اب وہ پردے سے یا چھپ کر ہی کھا لیا لوگوں کو نہ سناتا لیکن وہ عمداً" اہتمام کرتے تھے کہ لوگ دیکھیں اور لوگ ہمیں بھلا برا کہیں۔ بجائے اس کے کہ ہمارے گرد جمع ہو جائیں۔ لیکن کام وہ کوئی بھی غیر شرعی نہیں کرتے تھے کام ہمیشہ ایسا کرتے تھے جس کے لئے ان کے پاس شرعی جواز موجود ہوتا تھا تو اگر ایک پورا طبقہ اس طرح کا ہو سکتا ہے تو یہ بات ہر جگہ پائی جا سکتی ہے کہ ہم جس آدمی پر بدگمانی کر رہے ہیں جو کچھ وہ کر رہا ہے ممکن ہے اس کی اس کے پاس کوئی دلیل ہو۔ تو ہم بلاوجہ بدگمان ہوتے رہتے ہیں اس لئے کسی بھی آدمی کو یہ خیال رکھے کہ لوگ مجھے سمجھیں گے کہ یہ بالکل ہر طرف سے صحیح آدمی ہے تو پھر اسے قبر میں جانے کا انتظار کرنا ہوگا۔ مرنے کے بعد عموماً" لوگ یہ مانتے ہیں زندگی میں تو مشکل ہے زندگی میں تو نہیں مان کر دیتے کوئی ناراض کوئی خفا کوئی کسی کا بہتان کوئی دوسرا، تو ان باتوں سے کوئی اتنا محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ معاملہ رب العلمین کے ساتھ صحیح رکھنا چاہئے اور اپنے مقصد پہ نگاہ رکھنی چاہئے کہ مجھے کیا لینا ہے دوسرا اگر غلط آپ سمجھتے ہیں کہ وہ آدمی غلط ہے تو اس کے لئے دعا کر دیں آپ کا کام ہو رہا ہے تو اللہ اس کا بھی کر دے۔ تو یہ طریقہ ہوتا ہے اس لئے اس میں کوئی گھبرانے کی بات نہیں سوال کرنے کی ہر ایک کو اجازت ہوتی ہے اور ہر آدمی کو یا تو سوال و جواب ہم کریں نہیں یا پھر پوچھتے رہتے ہیں لوگ اور لوگوں کو پوچھنا چاہئے اور اس کا جواب ملنا چاہئے اور اس کی صحت اور عدم صحت کا پتہ چلنا چاہئے یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔

سوال۔ وہابی کیا ہوتا ہے؟

جواب۔ آپ دیکھیں آپ کے ملک میں بڑے بڑے ایسے فرقے ہیں جنہیں لوگ بہت برا سمجھتے ہیں لیکن ہر فرقے کا بندہ اپنے آپ کو اس فرقے کے ساتھ ظاہر کرتا ہے ہندو کہتا ہے میں ہندو ہوں آپ کہتے رہیں میں سکھ ہوں مرزائی اور قادیانی کہتا ہے میں مرزائی ہوں اسی طرح شیعہ کہتا ہے میں شیعہ ہوں سنی کہتا ہے میں سنی ہوں تو یہ کوئی بھی نہیں کہتا میں وہابی ہوں۔ دوسرے ہی کہتے ہیں یہ وہابی ہے کوئی شخص یہ نہیں کہتا میں وہابی ہوں اس لئے کہ وہابی کوئی فرقہ سرے سے نہ اس ملک میں نہ دنیا میں نہ تھا اور نہ ہے۔ ہوا یہ تھا کہ محمد ابن عبدالوہاب جو سبب بنے تھے اس ال سعود کی اس سلطنت کے بننے کا وہ بہت بڑے عالم تھے۔ عرب کے اور عرب میں بھی یہ جو رسومات ہیں یہ مسلمانوں میں بہت زیادہ آ گئی تھیں۔ ابھی بھی ہیں۔ اور ان میں جو رسومات ہیں وہ ہندوؤں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ آج بھی وہ زمانہ جاہلیت کی وسلیں بجاتے ہوئے کئی دفعہ میں نے انہیں عرفات میں بھی دیکھا ہے اور جبل رحمت پر بھی دیکھا ہے۔ اور بیت اللہ میں سیاہی نہیں بجانے دیتے ورنہ وہاں بھی وہ بجائیں مرد عورتیں مل کر وہ ایک عہد جاہلیت کی ایک وسل سی وہ بڑی عجیب سی بجاتے ہیں۔ خالی ہونٹوں اور زبان سے تو اس کا رد عمل یہ تھا کہ وہ شخص اس کے خلاف بہت متشدد ہو گیا ایک رد عمل تھا نا رد عمل میں جو چیز آتی

ہے نا وہ سخت ہو جاتی ہے تو ان کا مسلک بھی اعتدال سے بڑھ گیا اور علمائے حق نے ان پر بہت زیادہ اعتراضات کئے۔ اور واقعی ردعمل کے طور پر جو چیز آتی ہے اعتدال سے وہ بھی ہٹ جاتی ہے جس عرب میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں وہ جس ریاست میں تھے اس ریاست کے امیر نے انہیں ریاست سے نکال دیا کہ اس نے ریاست میں فساد پیدا کر دیا تو یہ ال سعود کے پاس الدبیہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی چند گاؤں اس میں تھے انہوں نے اسے ساتھ ملا لیا چونکہ ان کے ساتھ بڑے تکڑے تکڑے لوگ شامل ہو گئے تھے جو ان رسومات کے خلاف تھے اور وہ اسلام کے نام پر ان کے پیچھے جان دینے کو تیار تھے خواہ وہ کچھ بھی ان سے کرائیں تو انہوں نے اس طاقت کو استعمال کر کے عرب کی ریاستیں چھین لیں ادھر سازباز کی انگریزوں سے ادھر ملکی طور پر وہ اور اس کے سارے مریدین اور وہ جماعت انہوں نے استعمال کی اور یوں انہوں نے شریف مکہ سے مکہ مدینہ اور حجاز چھین کر پورے عرب کے فرماں روا بن گئے اور تب سے عرب سعودی عرب ہوا یہ اب سے کوئی پچاس پچپن سال پہلے کی بات ہے ورلڈ وار کی بات ہے تو اس سے پہلے عرب عرب تھا سعودی نہیں تھا۔ سعود ان کا دادا تھا۔ عبدالعزیز کا باپ تھا۔ اس خاندان کو ال سعود کہتے ہیں انہوں نے سارے عرب کے ساتھ سعودی لگا دیا۔ تو وہ جو شخص تھا علماء کی بہت زیادہ اس پہ نکیر اور گرفت اس کے بعض کاموں پہ بہت زیادہ۔ اللہ اسے معاف ہی کرے اس نے بڑے الٹے الٹے کام بھی کئے ایک دفعہ سانڈنی پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے لگ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کیا تھا یہ سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس جانور پر سوار ہوتے تھے وہ نہ پیشاب کرتا تھا نہ لید کرتا تھا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے تھا کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر رہتے وہ پیشاب نہیں کرتا تھا اس کی سانڈنی نے سارے بیت اللہ میں لید بھی کی اور پیشاب بھی کیا تو ایسی باتوں پر علماء نے بہت زیادہ گرفت کی ہے۔ بہت سی باتیں ہیں اس طرح کی۔ ایک نہیں بہت سی بہرحال میں اس میں نہیں الجھنا چاہتا میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں میں وہ ایک نام جو اس کے باپ کا تھا عبدالوہاب چونکہ عرب اسے ابن عبدالوہاب کہتے تھے اس کا نام اپنا عربوں کا قاعدہ ہے کہ یا بیٹے کا نام لے لیتے ہیں ابوالفلاں یا باپ کا نام لے لیتے ہیں۔ ابن الفلاں تو وہاب کا نام جو تھا وہ پورے عالم اسلام میں معروف تھا لوگ اس سے چڑتے تھے اور اچھا نہیں سمجھتے تھے تو انگریزوں نے بڑی تحقیق کے بعد ایک کتاب ہے MSULIMS OUR INDIAN ایک انگریز نے ہی لکھی ہے اس میں اس نے یہ ساری واردات لکھی ہے کہ بڑی تحقیق کے بعد ہم نے یہ لفظ تلاش کیا وہابی کہ یہ اس ابن عبدالوہاب کو ماننے والا ہے وہابی ہے یہ حقیقتاً" کوئی فرقہ ایسا نہیں تھا جو اس کے پیروکار ہیں وہ بھی خود کو وہابی نہیں کہلاتے اب بھی سعودی حکومت جو ہے ساری اور اس کا سارا نظام جو ہے وہ اسی کے بلکہ سعودیوں کا جو دینی شعبہ ہے اس کے سربراہ انہی کی اولاد ہیں۔ اس کے باوجود وہ خود کو وہابی نہیں کہتے۔ وہابی تو ہے کوئی نہیں انگریزوں نے ہندوستان میں یہ لفظ درآمد کیا علماء کے خلاف تنفر پیدا کرنے کے لئے جس کے ذمے وہ سمجھتے کہ اس کو کنڈم کرنا ہے تو اس کے ذمے یہ لگا دیتے۔ یہ وہابی ہے ایک طبقہ پیدا کیا گیا جو صرف کام کے لوگوں کو وہابی کہتا رہے۔ تو وہ لفظ ابھی تک اپنی اس صورت میں استعمال ہوتا جا رہا ہے جس سے جو خفا ہوتا ہے وہ کہہ دیتے ہیں یہ محض انگریزوں نے ایک لفظ ایجاد کر کے ان مسلمان لیڈروں کو جن سے ان کے پیچھے دم لگوا دیتے تھے کہ یہ وہابی ہے اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ عام مسلمان اس کی بات سننے سے گھبراتا تھا اور یہ ابھی تک کام دیتا جا رہا ہے۔ اب بھی بہت سے پیر ہمیں وہابی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں اپنے مریدوں سے خطرہ ہے کہ یہ ان کے ہتھے چڑھ گئے تو ہمارے کام سے گئے تو انہیں بتاتے رہتے ہیں کہ یہ وہابی ہیں۔ تو یہ اس کی ہسٹری ہے یہ ایک طریقہ واردات ہے

مغرب کا کہ وہ ایک لفظ ایجاد کرتے ہیں اور اتنی خوبی سے اسے استعمال کرتے ہیں اور اتنا اس کا فائدہ لیتے ہیں اب مغرب میں یہ حال تھا کہ ان کے جتنے سائنسی ادارے اور تحقیقاتی ادارے ہیں ان میں بیشتر مسلمان آ گئے تھے اور جو مسلمان نہیں تھے وہ بھی مشرقی ممالک کے لوگ تھے ایشیائی تھے اور مڈل ایسٹ کے لوگ حتیٰ کہ ناسا تک کے جو اعلیٰ تحقیقاتی سائنسی ادارے ہیں ان میں بھی جو سب سے اوپر پانچ ڈاکٹر ہیں ان میں تین تو پاکستانی مسلمان ہیں پورے امریکہ کی ساری تحقیق کا جہاں دارومدار اور خلائی شٹل کا بنانا اور چلانا اور یہ سارا جو ہے تو اب انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ تو ہم سے بازی لے جا رہے ہیں تو انہوں نے بڑی سوچ سوچ کے ایک لفظ نکالا THIRD WORLD اس لئے کہ کبھی جب انہیں یہاں سے حکومت کے لئے بندے ضرورت پڑتے تھے دفتری کام چلانے کے لئے تو انہوں نے ایک درجہ رکھ دیا تھا تھرڈ ڈویژن بھئی یا تو بندے کو پاس ہی نہ کرو اور پاس کیا ہے تو اسے میٹرک قبول کرو۔ تھرڈ ڈویژن' وہ تھرڈ ڈویژن کو میٹرک میں واپس داخلہ بھی کوئی نہیں دیتا اور اسے کسی دفتر میں جگہ بھی نہیں ملتی تو تھرڈ کا لفظ جو ہے وہ اتنا بدنام ہوا کہ کس چیز کی کوالٹی اگر خراب ہوتی تو لوگ کہتے یہ تھرڈ کلاس ہے یعنی ہمارے ذہنوں پہ وہ سوار ہو گیا۔

اب اس کا نیا فائدہ انہوں نے یہ اٹھایا کہ پوری ایشیائی اقوام کو انہوں نے کہہ دیا تھرڈ ورلڈ۔ وہ تھرڈ ورلڈ ہمارا دانشور بھی اپنے آپ کو مانتا ہے۔ ہمارا سیاست دان بھی مانتا ہے مذہبی لیڈر بھی کہتا ہے سارے سیاست دان بھی اپنے آپ کو تھرڈ ورلڈ کہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا فائدہ وہ یہ لے رہے ہیں کہ ذہنی طور پر ان سب ممالک کے لوگوں میں کم ہمتی آ گئی کہ جی ہم تو ہیں ہی تھرڈ ورلڈ۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ یعنی محض ایک لفظ سے آدھی دنیا کی کمر ہمت توڑ دی انہوں نے اور اتنی خوبی سے اسے چلاتے ہیں کہ ہمارے سارے لیڈر وزیراعظم سے لے کر سیاست دان تک سارے خود کو تھرڈ ورلڈ۔

WHERE IS THE FIRST WOLRD
WHERE IS THE SECOND WORLD
WHO CREATED THE THIRD WORLD

کوئی الگ کوئی پرودگار ہے بنانے والا پہلی دنیا کونسی ہے' دوسری کونسی ہے تیسری کیسے بن گئی۔ ساری دنیا میں انسان بستے ہیں اور کسی بھی جگہ کا انسان دوسرے سے ایک شعبے میں قابل ہو سکتا ہے اس میں فرسٹ سیکنڈ تھرڈ کی کیا۔ ہم نے تو مغرب میں ایسے ایسے بدھو دیکھے ہیں کہ سارا سارا دن کھپتے رہو تو انہیں ایک حرف ان کے پلے نہیں پڑتا بلکہ جتنی یہ مغربی اقوام ہیں ان میں تو کامن سینس بھی نہیں ہے۔ عام سمجھ کی جو بات ہے وہ بھی نہیں ہے اور جو چیزیں یہاں ہم استعمال کرتے ہیں ان میں سے بیشتر چیزیں انہیں استعمال کرنا نہیں آتیں۔ ہم نے تو ان میں کوئی شرافت' کوئی سمجھداری نہیں دیکھی تو عیاری والی بات الگ ہے۔ تو اس طرح کا یہ تھرڈ ورلڈ کی طرح کا یہ وہابی بھی ایک باقاعدہ ایک خاص مقصد کے لئے بنایا ہوا ہے۔ اور آج بھی آپ دیکھ لیں جو تھک جاتا ہے نا اس کے پاس کوئی جواب نہیں' وہ کہتا ہے یہ وہابی ہو گیا ہے۔ تو یہ پھر اتنا بدنام ہوا تھا کہ ایک لطیفہ تھا۔

کہ کسی مولوی کو مٹھائی والے نے مٹھائی نہیں دی۔ وہ سکھ تھا اس نے کہا سردار جی بچوں کے لئے مٹھائی دیا کرو اس نے کہا نہیں دوں گا۔ پیسے سے لو۔ اس نے خطبے میں کہہ دیا یہ مٹھائی والا بے ایمان وہابی ہو گیا ہے تو اس سکھ سے مٹھائی لینا مسلمانوں نے چھوڑ دی کہ یہ وہابی ہو گیا ہے۔ بے ایمان۔ یہ کسی نے نہیں پوچھا کہ یہ تو سکھ ہے۔ ابھی تک اس طرح لوگ استعمال کئے جا رہے ہیں۔

سوال۔ سوال ہے کہ لفظ تصوف کا لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم ارشاد فرما دیجئے؟

جواب۔ اس کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم کا ذکر ارشاد دلائل السلوک میں حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا

ہے بہرحال میں اجمالی طور پر دہرا دیتا ہوں کہ بعض کے نزدیک صفائے باطن سے صفا سے تصوف کو اخذ کیا گیا ہے اور قرآن حکیم کا یہ ارشاد ہے کہ تزکیہ و یزکیھم اس کو صفائی باطن کا نام دیا گیا اس کا ترجمہ کیا گیا صفائے باطن اور اس صفا سے اس صفائے قلب یا صفائے باطن کے عمل کو تصوف کہا گیا۔

دوسری رائے اہل علم کی یہ ہے کہ یہ جو ... میں یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے یعنی بھیڑوں یا بکریوں کے بالوں کا بنا ہوا ایک کرتہ سا اور وہ ایک خاص اس کا شعار ہوتا تھا کہ وہ عام کپڑا نہیں پہنتے عام لوگوں سے ملتے نہیں عام چیزیں کھاتے نہیں کم سونا کم کھانا کم ملنا اس طرح کا تو بعض کے خیال کے مطابق اس صوف کی وجہ سے تصوف بنا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ لفظ صفا سے اسے اخذ کیا گیا اور قرآن کی جو اصطلاح تزکیہ کی تھی اس کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو عمل ہے یہ بعینہٖ اسی تزکیے کا حصہ ہے تو جو زیادہ اس کے قریب تر ہے۔

• اصطلاحی مفہوم میں تصوف اس عمل کو کہتے ہیں کہ کوئی صفائے قلب صفائے باطن یا تزکیہ حاصل کرے اور پھر اس کو دوسرے تک منتقل کرنے کے عمل دوسرے کے قلب یا باطن کو بھی صفا کرنے کا جو عمل ہے اصطلاح وہ تصوف کہلاتا ہے۔ اب اگر کوئی لوگ اس لفظ سے بدکتے ہیں جیسے انگریزی میں الرجک کہتے ہیں نا تو میرے خیال میں اس کے لئے اردو میں لفظ بدکنا ہی زیادہ یہاں موزوں رہے گا اس لئے بدکتے ہیں کہ یہ ایک بہت احترام اور عزت اور بہت اہمیت کا شعبہ ہے کوئی بھی شخص جو یہ کام کرتے ہے لا محالہ اسے اس کے سارے کم از کم طلباء جو ہوتے ہیں وہ اسے بہت زیادہ عزت دیتے ہیں۔ اہمیت دیتے ہیں اس وجہ سے بہت سے لوگوں نے جھوٹ موٹ اس کا دعویٰ کر کے بہت سی رسومات اور خرافات جاری کر دیں۔

دوسری سب سے بڑی جو اس میں مصیبت آئی وہ تھی اس کا موروثی ہو جانا کہ اگر کوئی کسی کا کوئی بزرگ واقعی فن کے ماہر اور اتنے بڑے بزرگ تھے کہ ان کے پاس بیٹھنے سے دل کی صفائی حاصل ہوتی تو جیسے ان کی آنکھ بند ہوئی تو ان کا بیٹا خواہ وہ بے دین تھا نالائق تھا ان پڑھ تھا بدکار تھا لیکن صرف ایک رشتے سے کہ وہ بیٹا ہے اسے وہاں ان کی جگہ ان کے منصب پر بٹھا دیا گیا اب وہ لوگ اس طرح جن کے گلے میں یہ چیز پڑ گئی وہ جانتے تو کچھ نہیں تھے لیکن کرنا تو انہیں کچھ نہ کچھ پڑا تو انہوں نے پھر اس میں رسومات اور باجے گاجے اور کھانا پینا اور اس طرح کی چیزیں شامل کر کے اسے نباہے تو رکھا لیکن وہ نہ صرف عمل بلکہ بہت زیادہ جو انہوں نے خطرناک کام کیا یہ کیا کہ لوگوں کے عقائد برباد کر دیئے تو اس وجہ سے اسے بہت زیادہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا اور اگر یہ کہا جائے کہ لوگ چونکہ اس کی آڑ لے کر لوگوں نے بہت زیادہ گمراہی پھیلائی تو اسے ختم ہی کر دیا جائے تو یہ کوئی علاج نہیں ہے۔

ایک بات یاد رکھیے کہ یہ جو نظام ہے دنیا کا یہ جو انسانی زندگی ہے یہ ایک بہتا ہوا دھارا ہے ایک FLOW ہے آپ کسی بہتے ہوئے دریا کو مطلقاً" نہیں روک سکتے آپ جتنا بڑا بند باندھیں گے وہ کچھ دیر رکے گا پھر اس کے اوپر سے بہہ نکلے گا۔ زندگی رواں دواں ہے۔ جس طرح نسل انسانی کو پیدا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا جس طرح لوگوں کے چھوٹے بڑے قد مختلف صورتیں بننے کو کوئی نہیں روک سکتا کوئی نہیں روک سکتا کہ سارے لوگ ایک ہی رنگ کے ہوں گے کوئی پابندی نہیں لگا سکتا کہ سب کے قد اس اندازے کے ہوں گے یا سب کی عمر اس اندازے کی ہو گی یہ انسانی فلو ہے جو قدرت باری سے چل رہا ہے اسے روک کوئی نہیں سکتا اسی طرح انسانی کردار کا بھی ایک دھارا ہے جو بہتا رہتا ہے۔ تو اگر اس میں خرابی آ گئی ہے تو آپ کہیں کہ اسے سرے سے بند کر دیں یہ بند نہیں ہوتا بلکہ آپ کو اسے واپس اس کی اصل میں لانا پڑے گا یعنی آپ متبادل راستہ دیں اسے اس میں برائی آ گئی ہے تو یہ بند نہیں ہو گا ہاں آپ اصل کو عام کریں تا کہ نقل سے لوگ

بچ سکیں اس کا علاج یہ ہے۔

اب ولی تو ایک سب سے نیچے کا درجہ ہے لوگوں نے تو نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو پھر کیا انسان زندگی سے انبیاء علیہم السلام کا شعبہ نکال دیا جائے گا کہ اس میں تو جھوٹے مدعی بھی آگئے ہیں اس لئے آئندہ سے نبی نہیں مانا جائے گا تو اگر یہ کوئی کر گزرے گا تو لوگوں نے تو خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو اللہ کی ذات سے جو ہے تعلق وہ چھوڑ دیا جائے گا کہ آئندہ جی اللہ کو نہ مانا جائے چونکہ لوگ جھوٹا بھی دعویٰ کر لیتے ہیں۔ تو اگر کسی نے جھوٹ موٹ خدا ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی معرفت عام کی جائے لوگوں کو حقیقی پروردگار کی شان سے واقفیت ہو اور جھوٹے خداؤں کو بھول جائیں تا کہ لوگوں کو کم از کم یہ تو پتہ لگے کہ نبی کی شان کیا ہوتی ہے نبی کی ادائیں کیا ہوتی ہیں نبی کا مقام و مرتبہ کیا ہوتا ہے اور یہ آدمی کس درجے کا ہے اور دعویٰ کیا کر رہا ہے اسی طرح کوئی اگر تصوف کا یا صوفی ہونے کا یا ولی ہونے کا جھوٹا دعویٰ بہت سے لوگ کرتے ہیں اور گمراہی پھیلاتے ہیں تو اس سے تو اور زیادہ ضرورت بڑھ گئی کہ حقیقی جو تصوف ہے اور جو ایسا عمل ہے کہ واقعی ایک بندے میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم سے یہ پوچھا گیا عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم۔ کیسے پتہ چلے گا کہ یہ بندہ ولی اللہ ہے یا اللہ کا بندہ ہے جب آپؐ دنیا سے تشریف لے جائیں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اٹھ جائیں گے جب خیر القرون کے لوگ نہیں ہوں گے جب یہ نشان نہیں رہے گا تو پھر کیسے پتہ چلے گا فرمایا جس کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آئے اللہ یاد آئے وہ ولی اللہ ہو گا۔

یعنی کسی بھی صوفی کی یہ پہچان نہیں ہے کہ اس کا دعویٰ کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہچان فرمائی وہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ملنے والے لوگوں میں تبدیلی کیا آتی ہے اگر تو اسکے شاگرد یا اس سے ملنے والے لوگ جو ہیں وہ۔

یخرجھم من الظلمت الی النور کا منظر پیش کرتے ہیں کہ پہلے سے بہتر ہونا شروع ہو جاتے ہیں یہ بھی یاد رہے لوگ جب دیکھنے لگتے ہیں نا تو وہ آج کے دور کے انسان کا موازنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ سے کرنے لگ جاتے ہیں صحابہ سے تابعین سے تبع تابعین سے بزرگان دین سے کرنے لگ جاتے ہیں یہ حق نہیں ہے ہر عہد کے لوگوں کو ان کے زمانے کے لوگوں کے ساتھ تولنا چاہئے دیکھنا یہ چاہئے کہ اس کے زمانے کے لوگ معاشرے میں کیا کرتے ہیں اور وہ لوگ معاشرے میں کیا کرتے ہیں کیا ان سے نسبتاً" بہتر ہیں چونکہ لوگ اپنے زمانے کے لوگوں سے بہتر ہونگے۔ اب اگر کوئی کہے کہ آج کا آدمی جو ہے وہ با یزید بسطامی بن جائے کیسے بن جائے گا ان کا زمانہ اپنا ان کا عہد اپنا ان کا ماحول اپنا ان کے ذرائع اپنے اس دور کا علم اپنا اس دور کی سوچ اور اپروچ اپنی اس دور کے موانعات اپنے اس دور کی رکاوٹیں اپنی اس دور کے شیطانی کام اور اس دور کے گناہ بھی الگ ہر عہد کے گناہ بھی اپنے ہوتے ہیں اور ہر زمانے کی نیکیاں بھی اپنی ہوتی ہیں تو اس زمانے میں جسے شاید بدکار سمجھا جاتا ہو گا آج تو وہ بھی ولی اللہ نظر آئے گا زمانے کے اعتبار سے حالات بدلتے رہتے ہیں لیکن دیکھنے کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ اس دور کے باقی لوگ جو ہیں ان کا کردار کیسا ہے اور اس آدمی کے ساتھ ملنے والے لوگوں کے کردار میں کیا تبدیلی اگر مثبت تبدیلی آتی ہے لوگ برائی سے نیکی کی طرف اور وہ گناہ سے توبہ کی طرف اور جہالت سے علم کی طرف چل رہے ہیں اس کے ساتھ تو یقیناً" وہ ولی اللہ ہے یہ اللہ کی عطا ہے کسی بندے سے یہ نہیں ہو سکتا اور اگر ملنے والے لوگوں کی عملی صورت جو ہے وہ پہلے سے بھی بگڑ رہی ہے تو پھر اس سے احتراز چاہئے اس سے بچنا چاہئے خواہ اس کا دعویٰ کتنا بڑا ہو۔

تو اصطلاحی مفہوم اس کا یہی ہے کہ وہ عمل جسے قرآن نے تزکیہ کہا ہے ویزکیھم۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے ایک تو ہوتا

ہے اپنا تزکیہ ہونا یا تزکیہ کسی کو حاصل ہونا دوسرا ہوتا کہ کہ اس تزکیے کو دوسرے تک پھیلانا اس کے قلب کو صاف کرنا اس کے دل کو روشن کرنا۔

سوال۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ چاروں سلاسل تصوف اپنے اپنے بانیوں کے اسماء سے موسوم ہیں کیا ہمارا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کی بھی حضرت اویس قرنی کی طرف نسبت ہے؟

جواب نہیں ایسا نہیں ہے نسبت توحضرت نقشبند رحمت اللہ تعالے علیہ کی طرف ہو گئی اور یہ نسبتیں بھی ایسے ہیں کہ ان لوگوں سے یہ نعمت شروع نہیں ہوئی یہ جو چار کا ہے آپ کے خیال یہ بھی اس لحاظ سے صحیح نہیں ہے کہ صرف چار سلسلے نہیں ہیں ہاں چار معروف ہیں ہمارے ملک میں کم از کم ورنہ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں شاہ ولی اللہ رحمت اللہ علیہ نے کوئی غالباً چودہ سلاسل کا تذکرہ کیا ہے جو عالمی سطح پر معروف ہوئے لیکن یہ بھی کہنا صحیح نہیں ہو گا کہ دنیا میں صرف چودہ سلاسل تصوف تھے بہت بڑے بڑے اس فن کے اور اس موضوع کے بہت بڑے بڑے لوگ گزرے اور جہاں کسی نے انقلابی تبدیلی پیدا کی اور جہاں کسی نے لوگوں کی اصلاح کا اللہ نے کسی سے اتنا بڑاکام لیا کہ ایک معاشرے میں یا اس ماحول میں تبدیلی محسوس ہوئی تو وہاں سے وہ سلسلہ اس ہستی کے نام کے ساتھ موسوم کر دیا گیا ورنہ اس نے پہلوں سے حاصل کیا پتہ نہیں جب اس نے حاصل کیا اس ہستی نے جن سے سیکھا اس وقت سلسلے کا نام کوئی اور ہو گا کسی اور ہستی سے منسوب ہو گا ساری بھلائی کا مصدر تو نبی کریم صلی اللہ تعالے علیہ وسل کی ذات با برکات اور صحابہ کرام ہیں۔

تو سلسلہ تو ہمارا بھی نقشبندیہ ہے اویسیہ اس کے انداز سے کہا جاتا ہے نسبت کا بھی اصطلاحی مفہوم ہے نسبت کا لغوی مفہوم تو ہے کسی سے کوئی تعلق ہونا اسے نسبت کہتے ہیں لیکن اصطلاح تصوف میں نسبت کہتے ہیں کسی خاص ولی اللہ کا انداز اپنایا جانا۔ تو حضرت اویس رضی اللہ تعالے عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم سے ایک نرالا رشتہ نصیب تھا کہ آپ کو زندگی بھر زیارت تو نصیب نہ ہو سکی اور آپ حاضر نہ ہو سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات عالیہ میں لیکن دور رہ کر بھی آپ کا روحانی تعلق اتنا مضبوط تھا کہ حضور صلی اللہ تعالے علیہ وسلم بھی انہیں یاد فرمایا کرتے تھے اور وہ ہزاروں میل دور رہ کر بھی فنا فی الرسول رہا کرتے تھے اور برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات سے سیراب ہوتے تھے۔ تو سلاسل تصوف جتنے بھی ہیں ان میں ایک خاص حد سے آگے جو ترقی نصیب ہوتی ہے اس کا سبب روح کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست مستفید ہوتا ہی بنتا ہے خصوصاً عالم امر میں جب کوئی قدم رکھتا ہے تو اس سے آگے وہ چل ہی تب سکتا ہے کہ اسے براہ راست بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روح کو فیوضات و برکات نصیب ہوں۔

لیکن اس ہمارے سلسلہ عالیہ میں اس کے بھی دو شعبے ہیں ایک مجدد رحمت اللہ تعالے علیہ سے جو منسوب ہے نقشبندیہ مجددیہ وہ دوسرے سلاسل کی طرح ہی چلتا ہے لیکن جو نقشبندیہ اویسیہ ہے اس میں عجیب بات یہ ہے کہ ابتدا سے پہلے لطیفے سے سالک کو بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے برکات نصیب ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور روح کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جو دوسرے سلاسل میں جا کر ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو عالم امر تک ان کی روح کی پرواز پہنچ جاتی ہے تو اس حصول فیض کا جو طریقہ ہے اس سلسلے کا وہ ویسا ہے جیسا حضرت اویس قرنی رحمت اللہ علیہ کا تا تھا اس کی جو نسبت یا اس کا جو حصول فیض کا ڈھنگ ہے اسے اویس رحمت اللہ تعالے علیہ نے دور رہ کر اکتسات برکات کر لیا اس طرح سے یہ دنیا کے گوشے گوشے میں بیٹھے ہوئے براہ راست روح اقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیراب ہوتے ہیں تو اس طریقے کو نسبت اویسیہ کہہ دیا گیا سلسلے کو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کہا گیا۔

سوال۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ باوجود علم ظاہری کے علماء

کی اکثریت تصوف پر عمل تو درکنار اظہار خیال تک سے کتراتے کیوں ہیں؟

جواب۔ اصول یہ ہے کہ تصوف بغیر علم کے آتا نہیں اور علم ظاہر کے لئے تصوف شرط نہیں ہے۔ ہر صوفی عالم ہوتا ہے لیکن ہر عالم کے لئے صوفی ہونا شرط نہیں ہے ہر صوفی عالم ہوتا ہے لیکن ہر عالم کے لئے صوفی ہونا شرط نہیں ہے بغیر صوفی ہونے کے بھی آدمی علم حاصل کر سکتا ہے تو شعبہ دین کا یہ جو پہلو تھا کہ علم حاصل کیا جائے اور اس کے ساتھ صفائے باطن حاصل کی جائے یہ دو الگ الگ ادارے بن گئے جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو ساری برکات ایک ہی صف پہ بٹھا کر ایک ہی مسجد میں ایک ہی وہ مدرسہ تھا وہی مسجد تھی وہی یونیورسٹی تھی وہی ادارہ تھا سارے ہر شعبہ زندگی کے لوگ وہیں تربیت پاتے تھے لیکن صحابہ کرام کے عہد میں پھر شعبے تقسیم ہو گئے اور الگ الگ ہر ہر شعبے میں سربراہ مقرر ہو گئے بعد میں آنے والوں نے پھر ہر شعبے کے الگ الگ ادارے اور انسٹی ٹیوشن بن گئے۔ کہیں حدیث کا کہیں فقہ کا کہیں تفسیر کا کہیں سیرت کا کہیں تاریخ کا کہیں فوجی علوم کا کہیں کاروبار تجارت اور کاروبار زندگی کا کہیں سیاسیات کا یہ مختلف شعبہ ہائے زندگی کے یہ مختلف ادارے اور مختلف مکاتب بن گئے مدارس بن گئے اور یوں بہت سے لوگوں میں وہ ایک ایک ذرہ نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقسیم ہو گیا وہ اسے اگلوں تک پہنچاتے رہے تو اگر آپ علماء کی تاریخ دیکھیں تو جتنے آئمہ دین ہیں جتنے مفسرین ہیں جتنے بھی دینی شعبے میں کام کرنے والے لوگ ہیں ان میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں جو سارے دینی علوم کے ساتھ صوفی بھی ہیں بہت تھوڑے وہ ہیں مفسرین میں بھی اور بعض فقہاء میں بھی بہت کم قلیل اقل وہ ہیں جنہوں نے علم ظاہر تو حاصل کیا لیکن صفائے باطن حاصل نہیں کیا تو ان میں سے کوئی اعتزال کی طرف نکل گیا اور معتزلہ کہلایا کوئی خوارج کی طرف نکل گیا اور خارجیوں کا ایک شعبہ پیدا کر دیا کوئی کسی طرف وہ ان کا صرف وہ علم ظاہری جو تھا وہ انہیں سنبھالا نہیں دے سکا یہ اگر آپ علماء کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے تو دینی علم کے جتنے بھی حاملین تھے ان کا ایک طریقہ حیات رہا آج سے دو سو تین سو سال پہلے تک کی تاریخ پڑھیں تو یہ آپ کو ملے گا کہ فلاں مدرسے سے یا فلاں بزرگ سے دینی علوم کی تکمیل کے بعد فلاں صوفی یا فلاں بزرگ کے پاس تشریف لے گئے اور دو سال یا چار سال وہاں قیام فرمایا حتیٰ کہ آپ کو ہمارے سے پہلے عہد کے جو معروف لوگ SUBCONTINENT کے یا برصغیر کے ہیں ان کو بھی آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے فاضل علماء جو ہیں وہ کسی نہ کسی صوفی کے آستانے سے وابستہ ہیں اور وہاں انہوں نے اپنا وقت لگایا اور پھر ساری ساری عمر توجہ حاصل کرتے رہے اس لئے کہ علم ظاہر کو پڑھنا ایک بات ہے اور اس پر عمل کرنے کی جو کیفیت ہے وہ دل میں پیدا کرنا یہ دوسری بات ہے تو جن لوگوں نے علم ظاہر پڑھ لیا یہ کیفیت حاصل نہ کر سکے ان کے لئے علم دین نے ایک پیشے کا کام تو دیا ان کی روزی کا ذریعہ تو بن گیا ان کے لئے عزت کا سبب تو بن گیا ان کے لئے روزگار کا سبب تو بن گیا لیکن ان میں وہ نور تقویٰ و تقدس اور وہ عظمت جو دینی علماء کا حصہ تھی پیدا نہ ہو سکا۔

تو ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے عہد میں ہر شعبہ زندگی میں سے کمال جو ہے وہ نفی ہوتا جا رہا ہے اور وہ مختتیں وہ مجاہدے جو انسانیت کا خاصہ تھا جس سے انسانی جو ضمیر ہے وہ روشن ہوتا تھا چمکا کرتا تھا وہ اب اس دور میں رخصت ہوتا جا رہا ہے علم ظاہر کے لئے بھی آپ کو بہت کم نام ملتے ہیں ورنہ لوگ مدرسوں میں سال ڈیڑھ سال رہ کر دو چار جملے عربی کے پڑھ کے انہیں کوئی تقریر وقریر کرنا آ جاتا ہے تو وہ چلے جاتے ہیں وہی ان کی ساری زندگی کا علم ہوتا ہے یا پانچ سات تقریریں لکھ لیتے ہیں اور ایک ایک باری باری دہراتے رہتے ہیں' ساری زندگی اس پہ گزار دیتے

ہیں اور وہ ایک ذریعہ معاش بن جاتا ہے اسے علم نہیں کہا جاتا اب تو مدارس میں بھی ایک رسم رہ گئی ہے اور اب تو یہ حال ہے کہ آپ کسی مدرسے کی سند چاہیں تو آپ کو مل جائے گی وہ بغیر آپ کو دیکھے بغیر آپ کو جانے بغیر بڑے بڑے عظیم نام لکھ کر آپ کو بڑی بڑی پر نٹڈ سندیں دے دیں گے کہ اس نے ہمارے پاس دس سال لگائے اس نے دورہ حدیث بھی کیا یہ فقہ کا بھی ماہر ہے یہ فقہی بھی ہے اور وہ آپ کو جانتے بھی نہیں ہوں گے دو دو چار چار پانچ پانچ سو روپے میں یہ سندیں بکتی پھرتی ہیں۔

تو یہ جو زوال کا عمل آیا تو اس میں لوگوں نے جن لوگوں نے دینی علم کو معاش کا ذریعہ بنانے کے لئے حاصل کیا یا جن لوگوں نے روزگار کے لئے حاصل کیا انہوں نے پھر مزید مشقت اٹھانے کی تکلیف نہیں کی کہ وہ کسی صاحب حال کو بھی تلاش کرتے اور جن لوگوں میں یہ خلوص تھا کہ انہوں نے دینی علم کو آخرت کا سرمایہ بنانے کے لئے حاصل کیا انہیں کوئی صوفی ملا یا نہیں لیکن وہ آخری دم تک اس جستجو میں رہے کہ انہوں نے تردید نہیں کی بلکہ اس کی تلاش کرتے رہے اور جن لوگوں نے اسے محض ذریعہ معاش کے لئے اپنایا اور دین کو پڑھا تو انہیں اس چیز کی ضرورت نہیں تھی کہ ان میں ایک کمی محسوس ہوتی تھی اس کمی کا انہوں نے جو ازالہ کیا وہ اس کے وجود سے انکار کر کے کیا کہ جی یہ ہوتا ہی کچھ نہیں اس لئے کہ ان کے پاس تو تھا نہیں اور وہ اسے حاصل بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کی ضرورت نہیں تھی ان کی ضرورت تو تھی روزی کمانا اور اس کے لئے انہیں کوئی مسجد یا کوئی مل گئی ملازمت کہیں خطیب کی یا جمعہ پڑھانے کی یا بچوں کو پڑھانے کی وہ کہیں نہ کہیں ان کا وہ بن گیا تو وہ انہوں نے پڑھا ہی اس لئے تھا ان کا مقصد حل ہو گیا اب اگر وہ اس کا اصرار کرتے ہیں کہ اس کے لئے وہ کیفیات بھی چاہئیں تو اس کے لئے اب کوئی وہ الگ شعبہ الگ فرد تلاش کریں کوئی ادارہ تلاش کریں پھر وہاں سے سیکھیں تو اس تکلف میں پڑنے کی بجائے انہوں نے اس کا آسان حل یہ نکالا کہ اس کا انکار ہی کر دو۔ اب وہ جب اس سے خالی اس کا انکار کئے بیٹھے ہیں تو اس کا اظہار کب کریں گے اس پر اظہار خیال کیسے کریں گے۔

لیکن بعض لوگ جو دین کو دین سمجھ کر پڑھتے ہیں ساری زندگی انہیں یہ شعبہ نصیب نہیں ہوتا ایسے لوگ نہیں ملتے ان میں اگر وہ دین کو دین سمجھ کر پڑھتے ہیں ان میں حق اور صداقت کی جھلک باقی رہتی ہے۔ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں ایک بزرگ سے اس طرح کا فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ جو کچھ ہے یہ نہیں ہے اور یہ نہیں ہونا چاہئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ شعبہ ہے نہ ساری عمر اس طرح کے لوگ ملے نہ میں سیکھ سکا نہ میں اس کے متعلق جانتا ہوں اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ صحیح ہے یا نہیں ہے کسی ایسے آدمی سے پوچھو جو اس فن کا بندہ ہے۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جو علمائے ظواہر میں بھی اگر انہیں تصوف یا تزکیہ باطن کا اگر کوئی انسٹی ٹیوشن یا کوئی فرد نہیں ملا لیکن اگر دین کو انہوں نے ظاہراً بھی پڑھا تو اللہ کے لئے آخرت کے لئے پڑھا ہے اور اسے سرمایہ آخرت بنایا ہے۔ دوسرا بہت بڑا طبقہ جو دین صرف روزگار کے لئے پڑھتا ہے انہیں انکار ہی کرنا ہے اظہار خیال ہی کیا کریں گے۔ اور اگر کوئی صوفی ہوتا ہے تو اس کے لئے دو باتیں ضروری ہوتی ہیں یا تو وہ خود دین کا عالم ہوتا ہے اور اگر عالم نہیں ہوتا تو کسی عالم کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے چونکہ تصوف کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ ظاہراً عمل جو ہے وہ شریعت کے مطابق ہو اور باطناً صفائے قلب کے لئے کوشش کی جائے اس کی یہ مجبوری ہوتی ہے کہ وہ علم ظاہر سے واقف ہو اول تو وہ خود عالم ہوتا ہے نہیں تو کسی عالم سے وابستہ ہوتا ہے اور اس میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بظاہر انہوں نے علم نہیں پڑھا ہوتا لیکن اللہ انہیں علم عطا کر دیتا ہے اور دینی علوم کا وہ سرچشمہ بن جاتے ہیں حالانکہ انہوں نے علم ظاہر پڑھا نہیں ہوتا لیکن اللہ انہیں دے دیتا ہے۔ اس لئے صوفی جو ہے اس کی یہ مجبوری

جو ہے یا وہ خود عالم ہو اگر اس نے ظاہراً" نہیں پڑھا تو اللہ اسے علم عطا کر دے۔

وَ عَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْماً۔ اور یہ بھی نہ ہو تو اللہ کریم اسے کسی عالم سے پیوست کر دیتے ہیں۔ جس کے ساتھ اس کا جینا مرنا ہوتا ہے اور وہاں سے وہ سارے طریقے زندگی کے سیکھتا رہتا ہے۔

سوال۔ اگلا یہ جو چوتھا سوال ہے یہ چونکہ ذاتی قسم کا ہے' اکابرین سلسلہ عالیہ کے مطابق چاروں سلاسل تصوف کی سرپرستی آپ کی ذات عالیہ کو تفویض ہو چکی ہے الحمدللہ کیا کسی معترض کو کسی دلیل سے قائل کرنے کی ضرورت ہے یا اعتراض سے بہتر ہے؟

جواب۔ سوال یہ ہے کہ کسی بھی ولی کی ولایت پر ایمان لانا شرط ایمان نہیں ہے اسے ماننا قبول کرنا ایمان کی شرط نہیں نبی کی نبوت کو قبول کرنا مسلمان ہونے کی شرط ہے ایمان کی شرط ہے ولی کی ولایت کو قبول کرنا شرط ایمان نہیں ہے اس لئے منوانے کی ضرورت ہی نہیں جہاں تک دلیل کی بات ہے تو میرے خیال میں اس میں دلائل نہیں دیئے جاتے یہ تو استادوں اور شاگردوں کے مابین معاملہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی سلسلے کا شاگرد ہو جائے تو اس کی تربیت کر سکتا ہے یا نہیں۔ نسبتیں جتنی بھی ہیں ان کا مصدر تو ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات لیکن ہر آدمی کا تعلق جو ہوتا ہے اپنی نوعیت کا مختلف ہوتا ہے اللہ کے ساتھ بھی اللہ کے ہر بندے کا جو تعلق ہے وہ اپنی نوعیت کا مختلف ہے اور اتنا وہ خفیہ ہوتا ہے کہ نبی اور رسول کو بھی اللہ کریم بتا دے تو وہ جانتا ہے ورنہ وہ معاملہ رب اور بندے کا ہے نبی بھی نہیں جانتا آپ دیکھیں سورۃ بقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الذین کفرو سواء علیھم ا انذرتھم ام لم تنذر ھم لا یعلمون ایک خاص قسم کا جو گروہ تھا کافروں کا اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ یہ جو لوگ کافر ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی محنت کے بعد بھی انکار کر رہے ہیں ان کے لئے برابر ہے آپ انہیں ان پر محنت کرتے رہیں یا محنت نہ کریں یہ ایمان نہیں لائیں گے کیوں نہیں لائیں گے

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قلوبھم وَ علٰی ابصارھم غِشاوۃ

یہ مان سکتے ہی نہیں اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست خود جانتے ہوتے تو اللہ کریم کو بتانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جن کا شعبہ اور موضوع اور بعثت کی غرض ہی یہ تھی اس مخصوص اور پوشیدہ تعلق کو تب جانتے ہیں جب اللہ بتائے تو پھر کسی دوسرے کی کیا حیثیت ہے یعنی ہر بندے کا ایک تعلق رب کے ساتھ ہے۔

یہ جو نماز با جماعت ہے نا اس میں باوجود دوسری بے شمار حکمتوں کے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر دو آدمی جماعت میں کھڑے ہیں تو دونوں کا تعلق اپنا اپنا ہے اللہ سے اور ان کے تعلق کی نسبت سے رحمت کا نزول ہوتا ہے ایک پر اور طرح کی ہو رہی ہے دوسرے پر اور طرح کی جب دونوں مل کر پڑھ رہے ہیں تو وہ دونوں طرح کی بارش دونوں پر ہوتی ہے اور اگر وہ دو سے دس ہو گئے دس سے پچاس ہوگئے پچاس سے پچاس ہزار یا لاکھ یا دو لاکھ افراد ہوگئے جیسے بیت اللہ میں حج کے موقع پر ہوتے ہیں بیس بیس پچیس پچیس لاکھ ہو جاتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ پچیس لاکھ قسم کے مختلف رشتے استوار ہو گئے ذات باری سے پچیس لاکھ رنگوں سے نہا رہا ہے اس لئے نماز باجماعت جو ہے ناجماعت کی عبادت کو دوسری پر فضیلت دی گئی کہ اس میں سے بہت سے رنگ اسی طرح اکیلے ذکر کرنے کی نسبت دو ساتھی کرتے ہیں دس کرتے ہیں۔ بیس کرتے ہیں۔ پچاس کرتے ہیں تو وہ بیس پچاس ساٹھ قسم کی ان کی جو کیفیات ہیں ان پہ وارد ہوتی ہیں اور پھر یہ نہیں ہوتا کہ یہ ہر ایک کی الگ الگ رہے ابر کرم برستا ہے جب تو پچاس رنگ پچاس پہ سارے پہ برستے ہیں۔ اس لئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ اکیلے ذکر کرنے سے اگر کبھی ساتھیوں کے ساتھ مل کر کیا جائے تو

کیفیات میں کتنا فرق ہوتا ہے وہ اکیلے میں نصیب نہیں ہوتیں اس لئے کہ وہ باہمی ملنے سے وہ چیز بنتی ہے تو یہ جو مصدر سلاسل جو بزرگ بنتے ہیں ان میں بھی چونکہ ان کی اپنی نسبت سے انوارات تو براہ راست بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آتے ہیں لیکن ان کی اپنی نسبت سے ان میں مختلف کیفیات کا اتار چڑھاؤ اور مختلف رنگوں کی امیزش ہوتی ہے تو ان کے نام سے منسوب ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا زمانہ بھی آتا ہے کہ اللہ کریم کوئی ایسا بندہ یا کسی کو ایسی توفیق دے دیتے ہیں کہ بارگاہ نبوت سے جو آتا ہے اس ایک آدمی کو سیراب کرتا ہے اور باقی سربراہ جو سلاسل کے اس عہد کے ہوتے ہیں وہ بھی براہ راست حاصل نہیں کرتے بلکہ وہ انہی سے حاصل کرتے ہیں۔

تو اللہ کی جو نعمت اس سلسلہ عالیہ کو عطا ہوئی تو اگر تو کوئی اس شعبے کا آدمی ہو تو اسے تو از خود سمجھ آ جاتی ہے چونکہ وہ ان چیزوں سے ان فنون سے ان کے حصول سے واقف ہوتا ہے اور وہ تو اگر اس کی فنا فی الرسول تک یا بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی ہے تو اسے سمجھ آ جاتی ہے اور یہ جو غیر مرئی مخلوق یا جنات ہیں انہیں چونکہ انوارات اور یہ جو برکات ہوتی ہیں یہ انہیں نظر آتی ہیں تو یہ تو سب سے زیادہ جانتے ہوتے ہیں لیکن ظواہر کے لئے صرف ایک دلیل ہوتی ہے کہ ایسے وجود جو ہوتے ہیں ان سے پھر ساری انسانیت سیراب ہوتی ہے جتنی جتنی کسی کی نسبت ہوتی ہے کسی سے محلے کے لوگ کسی سے شہر کے لوگ کسی سے ایک علاقے کے لوگ کسی سے ایک ملک کے لوگ لیکن اگر اللہ کریم کسی کو ایسی جگہ پر پہنچا دیں تو پھر اس سے اس عہد کی ساری انسانیت سیراب ہو گی اور اگر میرے خیال میں چونکہ اس کا منوانا ضروری تو نہیں ہے یقیناً" تو پھر اس کے لئے کسی بحث میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں ہے ہاں جو لوگ طالب ہوتے ہیں جو لوگ غذ فیض کرتے ہیں ان کے لئے جاننا ان کی بہتری ان کی بھلائی اور ان کو ایک احساس کہ مجھے یہاں سے کیا کچھ مل سکتا ہے یا میں کیا کچھ اللہ نے مجھ پر رحم کیا ہے یا میں کتنی برکات حاصل کر سکتا ہوں آپ نے اس رستے کو مزید اس کو PURIFY اور مزید خالص کرنے کے لئے ان کے جاننے میں یہ بہت زیادہ نافع ہوتا ہے اور جو لوگ طالب نہیں ہیں اور اس سے برکات حاصل نہیں کر رہے وہ نہ بھی جانیں نہ بھی مانیں تو ان کی صحت پہ کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن علمائے حق کا جو فیصلہ ہے اس بارے میں وہ یہ ہے کہ کسی بھی ولی اللہ کی ولایت کا ماننا شرط ایمان تو نہیں لیکن بلاوجہ انکار کرنا جو ہے یہ نقصان دہ ضرور ہوتا ہے اور کم از کم نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی ساری زندگی اس کی برکات سے محروم رہتا ہے یعنی اگر وہ جانتا نہیں تو اس کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دے کہ میں تو نہیں جانتا اللہ بہتر جاننے والا ہے انکار جو ہوتا ہے وہ محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔ سب سے کم نقصان جو ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ انکار کرنے والا بندہ خود ساری زندگی کبھی مستفید نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ کریم اسے سب کی بہتری کا سبب بنائے اور اللہ کے بندے اس سے سیراب ہوں۔ چونکہ یہ کوئی نمبرداری قسم کی چیز نہیں ہے جیسے دنیا کے حکمران کسی کو بنا دیتے ہیں پھر وہ گورنر ہو گیا صوبے کا یا وزیراعلیٰ ہو گیا تو اب اس کا جو جی چاہے کرے اسے جتنے دن ہیں عیش کرنی ہے اس میں اور اس میں بہت بڑا فرق ہے۔ دنیاوی مناصب جو ہوتے ہیں ان میں صاحب منصب جو ہوتا ہے اس کی خواہشات پوری کرنے کے لئے سارے ماتحتوں کی خواہشات و ضروریات کو کچلا جاتا ہے قربان کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ جو برکات کا اور سلاسل تصوف کا معاملہ ہے تو اس میں جتنے لوگ ہوتے ہیں اس دور کے یا جہاں تک اس شخص کا دائرہ کار ہوتا ہے وہاں تک کی انسانیت کو ان کے مفادات کا تحفظ دینے کے لئے اسے اپنی خواہشات اپنا آرام اپنی ضروریات قربان کرنا پڑتا ہے محاسبہ یہ ہو گا اس کا پوچھا اس سے یہ جائے گا کہ اس نے حتی الامکان اپنا وقت اپنا سرمایہ اپنی قوت اپنا علم

اپنی محنت اپنا مجاہدہ قربان کر کے کتنے لوگوں تک یہ بات پہنچائی اور کتنے لوگوں کو بچانے کا سبب بن سکا کتنے لوگوں کے مفادات کا تحفظ کر سکا دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ اس نے کتنے لوگوں پر حکومت کی اس طرف سے یہ ہوتا ہے کہ یہ کتنے لوگوں کو طوفان سے بچا سکا تو یہ نمبرداری والی بات نہیں ہے اللہ کریم کی مدد کے علاوہ شاید متوسلین تو بچ جائیں اور سربراہ کا بچنا بھی مشکل ہو جاتا ہے تو ایک ایک بندے کے ساتھ کھڑا ہو کر اسے جواب دینا ہو گا کہ میں نے اسے صحیح سمجھایا میں نے اسے صحیح بات پہنچائی اور میں نے اس کے ساتھ محنت کا حق ادا کر دیا اب اگر محروم رہا بار خدایا سے تو میرا قصور نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی ایک بندہ بھی اس بندے کی غفلت یا اس بندے کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اس نے کسی ایک کو بھی قربان کر دیا تو پھر شاید یہ نہ بچ سکے۔ چونکہ ایسے لوگ سب سے آخر میں فارغ ہوں گے تو یہ کوئی ایسی نمبرداری کی بات تو نہیں اللہ کا احسان ہے اس دنیا میں جب تک آدمی ہے اور جب تک وہ سلامتی کے ساتھ قبر میں داخل نہیں ہو جاتا اس کے لئے بہت آزمائشیں ہیں۔

دنیاداری میں اگر صاحب منصب ہو تو جتنے لوگ اس کے قریب آنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے عزیز اس کے رشتہ دار اور اس کے جاننے والے دین میں کوئی صاحب منصب ہو تو اتنے لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں کیونکہ لوگ اپنے مفادات کا تحفظ کرنے کے لئے قریب آتے ہیں رشتہ داری بناتے ہیں۔ اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں دنیاوی اور یہاں مفادات ہی کو قربان کیا جاتا ہے۔ تو آدمی دو طرفہ پھنس جاتا ہے۔ باطل قوتوں کا جو ہے دباؤ اپنی جگہ ہوتا ہے اور دنیاوی جو رشتے ہوتے ہیں جن سے آدمی کو کسی آرام یا کسی اس مدد کی امید ہوتی ہے ان کی ان کا دباؤ ان کا پریشر اپنی جگہ وہ ہر آدمی اپنا مفادات چاہتا ہے اور اس شعبے میں مفادات قربان کر کے اللہ کے ایک بندے کو بچایا جاتا ہے تو یہ آسان نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ کریم کسی کی مدد فرمائے اور اسے سلامتی کے ساتھ لے جائے۔

لیکن بہرحال ہر پھول کے گرد خار کا ہونا کانٹوں کا ہونا فطرت کا ایک عمل ہے اس سے بچا نہیں جا سکتا اور کون بے وقوف کانٹوں کے ڈر سے پھولوں سے رشتہ توڑے گا۔ کیسے ہو سکتا ہے؟

سوال۔ وسط ایشیا کے نو آزاد مسلم ممالک میں کیا اب بھی تصوف سلوک والے لوگ ملتے ہیں؟

جواب۔ میرے خیال میں ضرور ملتے ہوں گے۔ میں وہاں گیا' آیا یا لوگوں سے ملا نہیں۔ لیکن خود روس کی جو حکومت تھی جس نے ستر سال پورا زور لگایا اسلام کو اپنے ملک سے ختم کرنے کے لئے انہوں نے تو ہر طرح کے مذاہب کو تقریباً" وہاں سے رخصت ہی کر دیا لیکن خصوصاً" اسلام کے ساتھ انہوں نے بہت زیادہ زور لگایا اس لئے کہ ان کے خیال کے مطابق یہ اسلام جو ہے وہ ماننے والے کے دل سے آسانی سے نکلتا نہیں تو اس پر انہوں نے خاص توجہ دی بڑا زور لگایا بے شمار لوگ جو ہیں وہ شہید کئے گئے بڑی سخت سزائیں دی گئیں۔ ایک چھوٹی سی کتاب کسی نے چشم دید حالات کی طبع کی تھی وہاں سے بھاگ کر آنے والے مسلمان نے وہ غالباً" اردو ڈائجسٹ والوں نے پہلے تو قسطوں میں شائع کی تھی اور پھر اس کی چھوٹی سی کتاب بنا دی تھی مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ اس میں انہوں نے وہ حالات لکھے تھے جو وہاں پیش آئے۔ بڑے بڑے اکابر علماء جو تھے انہیں نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا بلکہ بیگار کیمپوں میں رکھا گیا اور جب سمجھا کام نہیں کر سکتا تو اسی کو حکم دیا جاتا کہ اپنے لیے گڑھا کھودو پھر جب گڑھا تیار ہو جاتا تو گھٹنوں میں یا بازوؤں کے جوڑوں میں یا ایسی جگہ گولی مار دی جاتی اور گڑھوں میں پھینک کر زخموں پر چونا پھینک دیتے تھے۔ سڑکیں بنواتے تھے اس طرح کا۔ تو یہ سارا جو بربریت یا وحشت تھی اس لئے تھی کہ لوگ اسلام چھوڑ دیں اور اسلام سے ہٹ جائیں اور یہ سارا کچھ دیکھ کر لیکن خود روسی گورنمنٹ کا کئی سال پہلے یہ تجزیہ شائع ہوا تھا کہ

ہم اسلام کو اس لئے مٹا نہیں سکے کہ ان کے جو ذاکرین ہیں اور وہ تہہ خانوں میں اور زیر زمین بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں چھپ چھپا کر تو ان کا کوئی پتہ نہیں چلتا اور ان کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ ایسے ہیں۔ وہ انہی کی بات پہ قائم رہتے ہیں کچھ بھی ہو جائے یہ رشین گورنمنٹ کا بیان تھا کہ وہاں تصوف ہے اور صوفی جو ہیں وہ اپنے مذہب کو وہاں قائم رکھے ہوئے ہیں اب کیا حال ہے رب جانے۔ سوال کا یہ حصہ کہ میں کب تک جا رہا ہوں یہ اللہ ہی بہتر جانے کب موقع ملتا ہے جانے کا۔

سوال۔ نس بندی کی کیا شرعی اجازت ہے یا بالکل منع ہے اگر اجازت ہے تو کن حالات میں؟

جواب۔ شاہ عبدالعزیز رحمت اللہ تعالے علیہ نے تفسیر عزیزی کے تیسویں پارے میں اس پر کچھ ارشاد فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض وجوہات کی بناء پر کہ خاتون خانہ کی صحت اجازت نہیں دیتی یا بچوں کی عمروں میں کچھ وقفہ ہونا چاہئے تا کہ بچے صحت مند ہوں یا اس کا افلاس اور اس کی غربت اسے اجازت نہیں دیتی کہ وہ دو یا تین یا چار سے زیادہ بچوں کی کفالت کر سکے تو ان حالات میں کوئی ایسا عارضی اہتمام جس سے وقتی طور پر توالد کے عمل کو روکا جا سکے اس کی اجازت ملتی نظر آتی ہے نس بندی کرا دینا یا ایسا آپریشن کرا دینا کہ اولاد کے قابل ہی نہ رہے اس کی شرعاً" کوئی اجازت نہیں ہے جو جانور خصی کئے جاتے ہیں اور بیل وغیرہ اس لئے کر دیتے ہیں کہ وہ زیادہ مشقت کا کام کر سکیں اور زیادہ طاقتور رہیں اور اس طرح تو شرعاً" وہ بھی مکروہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم کو قربانی کے دو دنبے یا بکرے پیش کئے گئے تھے جو خصی تھے اور اس غرض سے خصی کروائے گئے تھے کہ یہ موٹے رہیں اور قربانی پر ان کا گوشت جو ہے وہ موٹا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کروائے نہیں تھے لیکن وہ جو خصی شدہ تھے وہ قبول فرما لئے تھے اور ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی دی تھی وہاں سے علماء یہ جواز اخذ کرتے ہیں کہ قربانی کے لئے کسی جانور کو اگر خصی کر دیا جائے تو ہو جائے گا اس لئے کہ حضور نے خصی شدہ جانور قبول فرما لیا۔ اس کے علاوہ خصی کرنے کی اجازت نہیں ہے اسی طرح جانوروں میں جو کان وان کتر کر اور خوبصورتی کے لئے اسے بنایا جاتا ہے اس کی بھی شرعاً" اجازت نہیں ہے کہ جیسا اللہ کریم نے بنایا ہے وہ سب سے خوبصورت ہے اس میں تبدیلی کی اجازت نہیں اسی طرح بندے جو اپنے جسم پر پھول شول گڈھوا لیتے ہیں وہ اس خوبصورتی کے لئے بناتے ہیں یا یہ جو ہم حلیہ بناتے ہیں کہ کلین شیو ہونا چاہیے اس سے خوبصورتی بڑھتی ہے یا یہ ہونا چاہئے وہ ہونا چاہئے یہ ساری چیزیں جو ہیں وہ ایک ہی زمرے میں آتی ہیں۔ تو کوئی بھی مستقل تبدیلی انسانی بدن میں آپریشن کر کے یا انسانی صحت میں دوائی کھا کر مستقل جو تخلیق باری ہے اسے تبدیل کرنا یہ شرعاً" جائز نہیں۔

اور شاہ صاحب وہ سارا جواز لکھنے کے بعد پھر فرماتے ہیں کہ یہ سارا کرنا جو ہے اگرچہ یہ جائز ہے لیکن مستحسن نہیں ہے یعنی جائز ہونا ایک بات کا اور ہے اور اس کا پسندیدہ ہونا دوسری بات ہے لیکن بہر حال اگر صحت و بیماری سبب ہو یا بچوں کی صحت کی ضرورت ہو یا کفالت کا اندازہ ہو کہ آدمی پچیس تیس سال سے مزدوری کر رہا ہے اور وہ دو تین چار بچوں کی اچھی تربیت کر سکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ چودہ کو اپنے گلے ڈالے اور ان میں سے کسی کی بھی تربیت نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے لئے عارضی وقتی کوئی دوا یا کوئی طریقہ اس کا جواز وہ اس حدیث سے لیتے ہیں کہ بخاری شریف میں ملتا ہے صحابہ کا قول کہ ہم ازل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا یعنی اس سے منع نہیں فرمایا گیا تھا وحی بھی نازل ہوتی تھی نہ قرآن نے روکا نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو ازل بھی ایک عارضی صورت ہوتی تھی توالد و تناسل کو روکنے کی۔ انسانی صحت پر اس سے یا انسانی جسم پر یا انسانی جسم میں جو استعداد ہے

توالد و تناسل کی اس پر اثر نہیں پڑتا تھا۔

سوال۔ انسان پر دنیا میں جس قدر مصائب و تکالیف آتی ہیں وہ گناہوں کی پاداش کے طور پر آتی ہیں یا رفع درجات کے لئے آتی ہیں؟ ہر دو صورتوں میں قلبی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ گناہوں کی سزا ہے یا رفع درجات کی صورت میں

جواب۔ انسان کا اگر عقیدہ خراب نہ ہو عقیدہ درست رہے اللہ کریم ایمان سلامت رکھیں اور اس کے ساتھ اسے توفیق عمل بھی ارزاں رہے حلال حرام سے بچنے کی توفیق ہو سیدھا سیدھا چلنے کی اتباع شریعت کی توفیق ہو تو مصائب جو ہیں ترقی درجات بھی بنتے ہیں اور تلافی مافات بھی بنتے ہیں تلافی مافات اور ترقی درجات کی یہی ایک صورت ہوتی ہے کہ اللہ کے ساتھ رابطہ درست رہتا ہے تکلیف میں بھی احساس تشکر رہتا ہے صبر رہتا ہے اطمینان رہتا ہے اور وہ تکلیف جو ہوتی ہے وہ ایذا نہیں دیتی تکلیف تو ہوتی ہے لیکن وہ ذہنی طور پر یا قلبی طور پر آدمی کو ایذا نہیں دیتی تکلیف تو ہوتی ہے اسے دکھ تو ہوتا ہے زخم لگتا ہے تو درد تو ہوتا ہے لیکن ایک ذہنی پریشانی یا ایک باطنی عدم اطمینان جو ہوتا ہے اس میں وہ نہیں ہوتا جو بیماری جو تکلیف بطور عقوبات آتی ہے بطور سزا آتی ہے اس کی بنیاد عقیدے کی خرابی پہ ہوتی ہے چونکہ عقوبات کا تعلق عقیدے کی خرابی سے ہے اس عالم میں اس میں پھر وہ تکلیف بظاہر کم ہوتی ہے لیکن اس میں ایذا بہت زیادہ ہوتی ہے اس میں پریشانی بہت زیادہ بڑھتی ہے اس میں قلبی اور ذہنی اطمینان جو ہے وہ بہت زیادہ ضائع ہو جاتا ہے اور بظاہر آدمی کے لئے تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے لیکن اندر سے اسے وہ ہلا کہ رکھ دیتی ہے تو عقوبات جو ہوتی ہیں یعنی بطور سزا جو مسلط کی جاتی ہیں تکلیفیں یا بیماریاں ایک تو بنیاد یہ ہوتی ہے کہ اس آدمی کا عقیدہ اس بیماری کے آنے سے پہلے بگڑ چکا ہوتا ہے یا اس سزا کے آنے سے پہلے بگڑ چکا ہوتا ہے دوسرا یہ ہوتا ہے کہ اسے تکلیف بظاہر کم ہوتی ہے لیکن اندر اس کا اثر جو ہے اطمینان و سکون پہ وہ بہت زیادہ پڑتا ہے اسے اس کے اندر ایذا بہت زیادہ ہوتی ہے۔ تو بنیادی بات یہ ہے کہ دو باتوں پہ آدمی نگاہ رکھے ایک تو بنیاد ہے عقیدہ۔ عقیدہ گیا تو کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں چونکہ عمل کی صحت کے لئے اللہ کے حکم کی کیا حیثیت رہ گئی اللہ کو جب جیسا اللہ ہے ویسا مانتا ہی نہیں تو حکم کی کیا حیثیت رہ گئی تو اگر عقیدہ صحیح ہے اور توفیق عمل بھی ہے گرتے پڑتے اللہ کو یاد بھی کرتے ہیں اور تو پھر کبھی یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو جو انعامات مل رہے ہوتے ہیں صحت کے یا ایمان کے یا توفیق عبادت کے ان کے مطابق وہ عبادت نہیں کر پاتا تو جو کمی رہ جاتی ہے وہ بیماری سے یا تکلیف سے اللہ کریم پوری کر دیتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی لگ جائے تو وہ بھی اللہ کریم اس کے اعمال میں اس کا حساب کر دیتے ہیں یا کوئی کمی دور فرما دیتے ہیں یا کوئی ترقی کا سبب اسے بنا دیتے ہیں۔

تو اگر ایمان و عمل میں توفیق ارزاں ہو ایمان صحیح ہو اور عمل کی توفیق ہو تو پھر دو میں سے ایک صورت ضرور ہوتی ہے یا تلافی مافات ہوتی ہے یا ترقی درجات ہوتی ہے کاملین پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ ہمیشہ ترقی درجات کے لئے ہی ہوتی ہیں انبیاء علیہم الصلوۃ پر سب سے زیادہ تکالیف آتی ہیں ' **ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ خَيْرُ القرون قَرْنِي** سب سے بہتر زمانہ فرمایا میرا ہے صلی اللہ علیہ وسلم پھر جو ان سے ملحق پھر ان سے ملحق۔ تو جو بہترین لوگ تھے ان پر سب سے زیادہ مصیبتیں آئیں تو اس کی ایک حکمت یہ بھی ہوتی کہ عند اللہ بعض منازل قرب ایسے ہوتے ہیں جو بغیر اس تکلیف کے نصیب ہوتے ہی نہیں یعنی ان کے جو منازل قرب ہوتے ہیں وہ ان کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان میں وہ تکلیف آتی ہے یا بیماری آتی ہے یا وہ چیزیں ہوتی ہیں جیسے مثال کے طور پر شہید کو سر میدان قتل ہونا پڑتا ہے یعنی شہادت کا درجہ پانے کے لئے کسی کو سر میدان قتل ہونا پڑتا

ہے تو وہ قتل ہونا جو ہے اس کے لئے ایذا تو نہیں وہ اس مقام کا تقاضا ہے کہ اس مرتبے پر فائز ہونے کے لئے اسے اس راستے سے جانا پڑے۔ اسی طرح بعض منازل قرب الٰہی جو کاملین کے ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا صحابہ ہوں یا اولیاء اللہ ہوں تو ان پر ہمیشہ جو تکالیف آتی ہیں وہ بنیادی طور پر ترقی درجات کے لئے ہوتی ہیں پھر کبھی اہل اللہ میں یا صاحب حال لوگوں میں بھی یہ ہوتا ہے کہ جو مقام و مرتبہ انہیں نصیب ہو جاتا ہے اس کے مطابق ان سے عبادات یا اذکار یا جو اس کا تقاضا ہے اس میں کمی رہ جاتی ہے اسے پورا کرنے کے لئے پھر کوئی مصیبت آ جاتی ہے چونکہ مصیبت جو ہوتی ہے یہ بھی مجاہدہ ہوتا ہے اگرچہ مجاہدہ اضطراری اسے کہا جاتا ہے ایسا مجاہدہ جو مجبوراً" کرنا پڑے تو مجاہدہ خواہ اختیاری ہو آپ اپنی مرضی سے کریں یا اضطراری ہو مجبوراً" کرنا پڑے وہ اپنا اثر اپنا فائدہ تو مرتب کرے گا۔ دوائی آپ نے مرضی سے کھالی یا کسی نے آپ کو پکڑ کر کھلا دی اس کا اثر تو ہوتا ہے تو یہ مختلف صورتیں ہوتی ہیں ان سب لوگوں کے لئے جن کا ایمان سلامت ہے اور توفیق عمل ارزاں ہے اگر عقیدے پہ زد پڑ گئی تو پھر سوائے سزا کے اور کوئی صورت نہیں پھر وہ از قسم عقوبات ہوتی ہیں سزا کے طور پر مسلط ہوتی ہے اور جہاں تک قلبی کیفیات کا تعلق ہے تو میں وہ عرض کر رہا ہوں کہ تکلیف کے باوجود دل میں اطمینان رہتا ہے وہ جو دکھ اور پریشانی باطنی ہوتی ہے اس سے اللہ کریم بچاتے ہیں کچھ اسے امید رہتی ہے اس سے نکلنے کی کچھ توقع رہتی ہے کوشش کرتا ہے دعا کرتا ہے نا امید نہیں ہوتا اور اگر از قسم عقوبات ہو تو آپ نے لوگوں کو دیکھا ہو گا وہ رب کریم کو بھی گالیاں دیتے پھرتے ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کو بھی اور مذاہب کو بھی کہ ہمارا کسی نے کیا کیا مجھ پر تو یہ بیت گیا وہ ہو گیا یہ ہو گیا یعنی وہ جو ہے نا اس کے اندر کا اضطراب اور وہ اندر کی جو ہے وہ تکلیف اس کا اظہار ہوتا ہے۔

سوال۔ جو احباب بیعت کے بغیر یہاں لطائف و اذکار کرتے ہیں انہیں صرف ثواب ہی ملتا ہے یا فیض بھی پہنچتا ہے؟

جواب۔ ثواب سے تو بھئی لطائف روشن ہونے سے رہے ثواب ایک الگ تھیوری ہے اور لطائف کی روشنی جو ہے یہ ایک الگ شعبہ ہے لطائف کی روشنی ایک عمل ہے جس عمل پر پھر ثواب مرتب ہوتا ہے تو نرا ثواب ایک اور بات ہے تو نرا ثواب تو ہر عمل سے ذکر لسانی کریں آپ یا کوئی بھی نیک کام کریں ثواب تو مرتب ہوتا ہے اس پر تو لطائف کا روشن ہونا جو ہے یہ بجائے خود ایک عمل ہے جس پر آگے پھر ثواب مرتب ہوتا ہے۔

سوال۔ وہ واپس جا کر دوسروں کو لطائف کرا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ ہمارے ہاں تو ہر وہ شخص جو ہے وہ سلسلے میں شمار ہو جاتا ہے جو ذکر سیکھتا ہے لطائف سیکھتا ہے وہ اللہ اللہ کرتا ہے اور وہ بیعت کرتا ہے ظاہری یا نہیں یہ شرط نہیں ہے اس لئے کہ اس سلسلہ عالیہ میں ظاہری بیعت کی ہی نہیں گئی متقدمین سے لے کر ہمارے زمانے تک۔ یہ لوگ صرف ان لوگوں کو ساتھ رکھتے تھے جو فنا فی الرسول میں بیعت ہونے کا ارادہ اور عزم رکھتے اور اس کے لئے محنت کرتے تھے یہ ان لوگوں کو محنت کراتے رہتے اور فنا فی الرسول میں بیعت ظاہری سلسلہ عالیہ کے مشائخ علماء ظاہر کے لئے اور صوفیاء ان نیک لوگوں کے لئے جو صوفی نہ سہی لیکن نیک تو ہیں اور لوگوں کی اصلاح کا کام کرتے ہیں۔ ان کے لئے چھوڑ دیتے تھے چونکہ بیعت کی جو کئی قسمیں ہیں جو قسم ہے اصلاح کے لئے وہ یہ ہے کہ آپ ہر اس آدمی سے ظاہری بیعت کر سکتے ہیں جو روزمرہ کے امور میں شرعی احکام سے واقف ہے۔ وہ متبحر عالم نہیں ہے یا وہ کوئی بہت بڑا عالم نہیں لیکن روزمرہ کے امور میں حلال حرام جائز ناجائز پاک ناپاک سے واقف ہے اور آپ کی رہنمائی کر سکتا ہے اتنا جاننے والے سے بیعت اصلاحی کی اصلاح کی بیعت کرنے کی شرعاً" اجازت ہے کہ آپ اس سے بیعت کر لیں تو اس

لئے ہمارے مشائخ عظام جو تھے وہ کہتے تھے کہ جو کام ایک عام آدمی بھی کر سکتا ہے اور لوگوں کو اپنے قریب اپنے گھروں کے قریب اور اپنے محلے میں اور اپنے شہر میں اپنے علاقے میں ایک آدمی میسر آ سکتا ہے تو ان کو کیوں ہم اس بیعت میں الجھا کر انہیں اپنے ساتھ لگائے رکھیں صرف ان لوگوں کو لیا جائے جو فنا فی الرسول میں بیعت روحانی کے متمنی ہیں جو انہیں اور کہیں ملنا آسان نہیں ہے۔ تو پھر دور حاضرہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اب وہ زمانہ تو گزر گیا اب تو بیعت ایک کاروبار بن گیا ہے اور بدکار اور پیشہ ور لوگ بیعت لیتے ہیں۔ اور ان کے صرف عمل ہی نہیں عقائد بھی خراب کرتے ہیں تو الا ماشاء اللہ یہ بیعت بھی ایک بزنس بن گئی ہے اور لوگوں نے جہاں سے کوئی نیک آدمی اٹھا وہاں کوئی اس کا لوفر لفنگا تھا برخوردار تو اسے بٹھا دیا اور یہ بجائے حلال حرام' پاک ناپاک کے یہ تو میلہ بن گیا ایک قسم کا اور ڈھول باجے گاجے بجائے اور گوشت ووشت پکایا گوشت حلوہ کھایا پیا اور ہر کوئی چلا گیا کہیں کبڈی ہو رہی ہے کہیں بیل بھگائے جا رہے ہیں کہیں کتے لڑائے جا رہے ہیں وہ سارا جو ہے وہ دین کے نام پر ہی کیا جا رہا ہے اور بزرگوں کے مزارات پر کیا جا رہا ہے تو لوگوں کے لئے تو یہ گمراہی کا سبب بن گیا تو پھر یہ مسئلہ مشائخ عظام کی خدمت میں پیش ہوا پھر یہ بڑھتے بڑھتے اپنی آخری منزل تک بارگاہ نبوی تک گیا تو اس پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ بیعت ظاہری لی جائے چونکہ بیعت ظاہری ویسے تو سنت تھی لیکن ہمارے مشائخ نے اس لئے چھوڑ رکھی تھی کہ یہ کام اور لوگ بھی کر سکتے ہیں وہ ہو رہا ہے تو تب یہ فیصلہ ہوا کہ جو بھی آئے اسی کو ذکر بھی سکھایا جائے اسی کو لطائف بھی سکھائے جائیں اور اس کی ظاہری بیعت بھی لی جائے۔ تو ہم نے بھی اٹھارہ بیس برس بائیس برس ذکر کرنے کے بعد جب یہ فیصلہ ہوا غالباً" اسی (۸۰) کے قریب اسی میں کہیں یہ فیصلہ ہوا تو اس وقت حضرت سے ظاہری بیعت ہم نے کی۔ اس سے پہلے ظاہری بیعت ہمارے ہاں رواج ہی نہیں تھا۔

تو اب بھی اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ ظاہراً" کہیں اور کسی نیک آدمی سے بیعت ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کی رہنمائی کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ سیکھے اور جو بھی سلسلے میں داخل ہوتا ہے وہ لطائف کرانے کی سب کو اجازت ہوتی ہے دوسروں کو بتا بھی سکتا ہے کرا بھی سکتا ہے۔ اس سارے ضمن میں وہ ویسا ہی ہے جیسے دوسرے لوگ ہیں۔

سوال۔ سلسلہ عالیہ اویسیہ میں ایک وقت میں ایک ہی شیخ سے پوری دنیا میں فیض پہنچتا ہے یا دوسرے سلاسل کی طرح کئی حضرات ہوتے ہیں؟

جواب۔ نہیں۔ سارے سلاسل میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی ایک ہی شخص جو ہے پوری دنیا میں کرے یہ کہیں ہزاروں صدیوں کے بعد کوئی ایک ایسی تبدیلی آتی ہے ورنہ ہر سلسلے میں نظام اسی طرح چلتا ہے کہ متعدد لوگ متعدد جگہوں پر کام کرتے رہتے ہیں اور کئی حضرات ہوتے ہیں یہ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا جو ہے یہ شاید قدرت کو منظور ہوتا ہے وقت کی ضرورت کے مطابق یا اس زمانے کے حالات کے مطابق اللہ کریم کوئی تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں ویسے ایسا صدیوں بعد ہوتا ہے ہمیشہ نہیں ہوتا۔

سوال۔ اس سلسلہ کے علاوہ کوئی شخص اویسی ہونے کا دعویدار ہو تو وہ کیسا ہے؟

جواب۔ جس شخص کو بھی عرش کے منازل نصیب ہوں وہ بغیر نسبت اویسیہ کے چل ہی نہیں سکتا وہ خواہ کسی سلسلے کا بھی ہو سلسلہ اس کا وہی رہتا ہے لیکن نسبت اویسیہ یعنی اس طرح سے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برکات حاصل کرنا جس طرح حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ نے کی تھیں۔ وہ طاقت وہ کیفیت روحانی طور پر اسے نصیب نہ ہو جائے تو ان منازل میں وہ چل ہی نہیں سکتا پھر رک جاتا ہے تو جو لوگ بھی عرش کے منازل میں یا اس سے اوپر چلے ہیں ان سب کو یہ نسبت یا یہ طاقت یا یہ کیفیت نصیب ہوئی وہ کسی بھی سلسلے کے ہیں۔ ہم میں اور ان میں فرق یہ

ہے کہ ہم جس شخص کو آ با تا شروع کراتے ہیں وہاں سے ہی اسے وہ نسبت نصیب ہو جاتی ہے باقی سلاسل میں اگر کسی کو عرش میں قدم رکھنے کا اللہ کریم موقع دیں اور وہاں تک لے جائیں تو وہاں جا کر از خود اس میں یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جہاں بھی ہے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برکات حاصل کرتا رہتا ہے۔ خود اس کی روح آگے چل سکتی ہے تو کوئی بھی ہو سکتا ہے اسی لئے ہمارے بزرگوں نے کہا تھا نا کہ ۔ اول ما آخر ہر منتھی کہ اللہ نے ہمیں یہ قوت دی ہے کہ ہم ابتدا وہاں سے کرتے ہیں جہاں دوسروں کی انتہا ہوتی ہے۔

اول ما آخر ہر منتھی آخر ما جیب تمنا تھی

اور ہماری انتہا یہ ہے کہ مانگنے کے لئے کچھ نہیں بچتا۔

سوال۔ جس طرح دنیا میں روح خیال کے تابع ہوتا ہے۔ تو برزخ میں روح کس کے تابع ہوتا ہے؟

جواب۔ یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے روح خیال کے تابع ہوتا ہے غالباً" اس سے آپ کی مراد یہ ہو گی کہ جہاں خیال کیا جائے وہاں روح پہنچتی ہے تو روح خیال کے تابع تو نہ ہوا نا خیال کرنا تو ایک ایسا عمل ہو گیا جیسے آپ بدن کو لے جانے کے لئے قدم قدم چلتے ہیں۔ روح کو کہیں پہنچانے کے لئے اس طرف توجہ کرتے ہیں وہ تو ایک چلنے کا عمل ہو گیا نا خیال کے تابع تو تب ہوتی جو شخص جیسا سوچتا اس کی روح وہاں پہنچ جاتی پھر تو یہ کمال تھا کہ روح خیال کے تابع ہے یہ سب کا تو نہیں ہے وہ تو ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے صوفی میں کہ وہ اپنے روح کو کہیں لے جانے کے لئے یا روح کے سفر کے لئے وہ اس طرف سوچتا ہے تو روح میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہاں پہنچ جاتی ہے تو یہ خیال کے تابع تو نہ ہوا۔ یہ تو روح کے پہنچنے کا ایک عمل ہو گیا۔ برزخ میں روح کس کے تابع ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر پہلا سوال ہی صحیح نہیں تو دوسرا کہاں صحیح بیٹھے گا۔

روح برزخ میں تابع ہوتا ہے ان حالات و واقعات کے جو دنیا میں ہم کرتے ہیں ہمارا جو عمل ہوتا ہے ہمارا جو کردار ہوتا ہے جس عقیدے اور جس خلوص کے ساتھ ہوتا ہے وہی روح کے لئے راستہ متعین کرتا ہے اور دو طرح کے کردار ہوتے ہیں۔ ایک عقیدہ اور کردار ایک بوجھ بن جاتا ہے۔ جسے روح کو اٹھانا ہوتا ہے کھینچنا ہوتا ہے اور دوسرا عقیدہ عمل اور کردار ایک سواری بن جاتا ہے جو روح کو اٹھاتا ہے۔ تو یہ شریعت اور اس کے خلاف چلنے والے اعمال واضح ہیں تو میرے خیال میں ہم پھر آخر میں آ گئے الٹے پلٹتے۔

یہ تو تھے آپ کے آج کے سوالات اور اس میں یہ جو نس بندی کی کیا شرعی اجازت ہے یا نہیں ہے اس کے متعلق جو میرے علم میں تھا وہ میں نے آپ حضرات کو بتا دیا لیکن میں ان امور پر فتوے نہیں دیا کرتا اگر کوئی ساتھی تسلی چاہے یا وہ فتویٰ لینا چاہے تو کسی مفتی صاحب سے لے چونکہ یہ سوال تھا اور عموماً" اس طرف لوگوں کی نگاہ کم جاتی ہے تو اس لئے میں نے اس کا جواب دے دیا۔ علماء سے پوچھا جائے تو وہ ایسا ہوتا ہے کہ اس موضوع کو جانتے وہ کم لوگ ہوتے ہیں اس طرف توجہ ہی کم کرتے ہیں تو اکثر نا امیدی ہوتی ہے جب جواب نہیں ملتا اس لئے اس کی میں نے جو حیثیت میرے علم میں تھی وہ بتا دی بہرحال یہ فتویٰ نہیں ہے۔

تو بنیاد جو ہے ساری محنت سارے مجاہدے سارے مراقبات سارے مقامات وہ سفر روحانی ہوں یا مادی ہوں یا جسمانی ہوں سب کی بنیاد ایک بات پر ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ سارے قرآن حکیم کا خلاصہ جو ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں موجود ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا سارا حاصل جو ہے وہ اس کی پہلی "با" میں ہے "ب" میں ہے اس ب کا حاصل بھی اس ب کے ساتھ جو نقطہ ہے اس میں ہے حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نقطہ جو ہے اسے نقطہ اتصال کہتے ہیں ملانے والا نقطہ تو سارے دین کا حاصل یہ ہے اس کے لئے آپ روزے رکھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں جہاد کرتے ہیں حج کرتے ہیں اللہ اللہ سیکھتے ہیں

مجاہدہ کرتے ہیں چلے کرتے ہیں جو کچھ بھی آپ کرتے ہیں اس سب کا حاصل یہ ہے کہ بندے کا اپنے مالک کے ساتھ اتصال ہو جائے وہ جو ب کا نقطہ ہے نا نقطہ اتصال یہ سارے دین کا حاصل ہے تو آپ کسی کام کو کسی طرف سے بھی الٹ پلٹ کر لائیں اس سب کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے کتنے قریب ہے۔ اور کتنا اس سے دور ہے۔ رہے قرب الٰہی کے فاصلے تو ان کی کوئی انتہا نہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کریم نے فرمایا۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْماً۔ دعا کیا کریں اللہ میرے علم کو زیادہ کر حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو علم عطا کیا گیا وہ اللہ کریم کے بعد ساری کائنات ساری مخلوق سے زیادہ تھا۔ اس کے باوجود قرب الٰہی کے منازل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد برزخ میں میدان حشر میں اور جنت میں تو ہر جنتی کے منازل کو مسلسل ترقی ہوتی رہے گی اس کے باوجود قرب الٰہی کی انتہا نہیں ہو گی ابدا الاباد اور ہمیشہ ہمیشہ چونکہ اللہ کریم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ وہ ذات ایسی نہیں ہے کہ کسی نقطے پر آپ پہنچیں تو آگے پروردگار بیٹھا ہے اور آگے اس کے پرے دیوار ہے ایسی کوئی بات نہیں جتنا بھی کوئی چلتا جائے گا جتنا بھی کوئی اتنی شیرینی اتنی لذت اتنا قرب اتنی وصال کی نعمتیں اسے نصیب ہوتی چلی جائیں گی تو یہی حاصل ہے سارے دین کا۔ اور قرب الٰہی کو جانچنے کا آلہ جسے ہم سمجھنا چاہئے دنیا میں وہ ہمارے قرآن حکیم نے شیشہ دکھا دیا ہے کہ جو جو کام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اگر وہ ہم خلوص سے خوش دلی سے اور ایک خاص جذبے سے کرنا جو ہے پسند کرتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے ہیں یہ قرب الٰہی کی دلیل ہے اور اگر ہماری پسند ہماری خوشی اس کے خلاف میں ہے اور ہمیں اس کا خیال کر کے خوشی ملتی ہے اور ہم خود کو معتبر اور معزز سمجھتے ہیں تو یہ قرب الٰہی اور دین سے محرومی کی دلیل ہے۔ تو دنیا میں معیار ہر آدمی کا اپنا عمل ہے۔

ہمارا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کو جانچتے رہتے ہیں وہ کیا کر رہا ہے وہ کیا سوچ رہا ہے وہ کیسا ہے یہ عمل جو ہوتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ انسان اپنی فکر سے آزاد ہے اس کا اپنا کچھ نہیں اگر کسی کو اپنی ذات کی فکر اور اپنے آپ کو تلاش کرنے کی فکر رہے تو پھر دوسروں کو بھی اگر دیکھے تو ایک درد سے دیکھتا ہے کہ یہ اگر وہاں ہیں تو یہ کیوں ہیں میں اس کی کیا مدد کر سکتا ہوں اگر یہ ڈوب رہا ہے تو کیوں ڈوب رہا ہے کیا میں اسے بچا سکتا ہوں اس انداز سے دیکھتا ہے تو ہر آدمی کا ایک اپنا حال ہے ہم جو عبادت کرتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں یا روزے رکھتے ہیں یا ذکر کرتے ہیں یا تلاوت کرتے ہیں تو اس سارے کا ہمارے اپنے پاس معیار یہ ہے کہ یہ سارا کچھ کرنے سے ہمیں اطاعت الٰہی کی کتنی توفیق ارزاں ہوتی ہے اسی طرح حج کی سعادت نصیب ہوتی ہے تو آدمی کو پہلی اور حج کے بعد کی زندگی سامنے رکھنی چاہئے کہ اس سے کتنی مثبت تبدیلی آئی ہے۔ یہی معیار ذکر اذکار کا ہے کہ ہم ذکر نہیں کرتے تو ہماری سوچ یا ہمارے افکار یا کردار کیسا تھا اللہ نے ذکر کی توفیق بخشی تو اس سے کتنی مثبت تبدیلی آئی گناہوں سے کتنی نفرت ہوئی اور اطاعت الٰہی سے کتنی محبت ہوئی یا کتنا زیادہ کرنے کو جی چاہنے لگا تو یہ ہر آدمی کا معیار مختلف ہوتا ہے دوسرے کے معیار کو ہم نہیں دیکھ سکتے ہم نہیں جانچ سکتے۔ ایک آدمی دن میں دس گناہ کرتا ہے تو ہم تو اسے بدکار ہی کہیں گے لیکن ممکن ہے وہ اس سے پہلے دس ہزار گناہ کرتا ہو تو جاننے والا تو سمجھے گا کہ یہ دس ہزار سے دس پر آ گیا۔ بڑی نیکی کی بات ہے بہت اچھا ہو گیا تو ہر ایک کے الگ حالات ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسروں کی کرید سے رب جلیل نے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلا يغتب بَعْضُكُم بَعْضا ” نہ ایک دوسرے کی جاسوسی کرو اور نہ ایک دوسرے کے پیچھے اس کی برائیاں بیان کرو کہ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں اور قرآن حکیم نے تو یہ فرما دیا کہ کسی کے پیچھے اس کی برائی

بیان کرنا۔ اس کے سامنے نہیں اس کی پیٹھ پیچھے بیان کی جائے تو یہ بھی غیبت ہو گی فرمایا تو یہی تو غیبت ہے اگر اس میں وہ برائی ہے ہی نہیں تو وہ تو بہتان ہو گا۔ یعنی اگر اس میں وہ قصور ہے ہی نہیں اور آپ اس کو دہرا رہے ہیں تو وہ تو بہتان ہو گیا وہ تو غیبت نہ ہوئی سوائے اس کے کہ کسی کی برائی سے آپ براہ راست متاثر ہو رہے ہیں یعنی آپ کا کوئی مال کھا گیا آپ اس کی پیٹھ پیچھے بھی اس آدمی سے بات کر سکتے ہیں جو اس شعبے سے متعلق ہو کسی افسر سے بات کرتے ہیں یا کسی بزرگ سے بات کرتے ہیں یا کسی ایسے آدمی سے بات کرتے ہیں جو اس سے مال دلوا سکتا ہے اصلاح کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اس صورت میں بھی سر عام چوک میں کھڑے ہو کر گپ لگانے کی اجازت نہیں ہے یعنی اگر وہ کوئی زیادتی آپ کے ساتھ ہو رہی ہے تو اس کے ازالے کے لئے کسی حاکم کے پاس آپ جاتے ہیں یا کسی بزرگ کے پاس جاتے ہیں یا کسی معتبر آدمی سے کہتے ہیں کوئی اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے تو اس کی اجازت ہے اس کا بھی افسانہ بنانے کی اجازت نہیں اگر آپ افسانہ بنائیں گے تو اس کا حاصل یہ ہو گا کہ آپ اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے ورنہ ظالم کے خلاف مظلوم کو اللہ کی مدد حاصل رہتی ہے۔ تب تک وہ اللہ کے احکام کی پابندی کرتا رہے اگر وہ خود اس کے خلاف اس نے آپ کا مال کھا لیا آپ نے اس کی برائیاں بیان کر دیں تو اللہ کریم دونوں کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں کہ آپ آپس میں نپٹو تو اس لئے دوسروں کی حکایات اور حالات کے تجسس میں رہنا پھر اسے کریدنا پھر اس سے آگے افسانے کے طور پر بیان کرنا یہ اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کی بات ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اپنے حال سے غافل ہے یعنی جس میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا بندہ ہمیشہ اپنے حال سے غافل ہوتا ہے اور جسے اپنے حال پہ نظر ہو تو پھر اسے دوسروں کی فکر ہی نہیں رہتی۔

نہ تھی اپنے حال پر جب تک نظر رہے دیکھتے دوسروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے حال پہ جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

تو آدمی کے پاس بڑا تھوڑا سا' محدود وقت ہے اسے بجائے ضائع کرنے کے اس کے صحیح مصرف پہ لگایا جائے زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

یہ بظاہر تو زندگی کی شام ہوتی ہے لیکن حقیقتاً" زندگی کی وہ صبح طلوع ہوتی ہے جو ہمیشہ رہے گی تو اس لمبے عرصے کی تیاری اگر ہمیں اس محدود وقت میں کرنی ہے تو پھر ہمارے پاس ضائع کرنے کے لئے کوئی لمحہ نہیں ذکر میں رہو عبادات میں رہو اپنی مزدوری میں رہو اپنے کام میں رہو کچھ نہیں کرنے کا تو آرام سے سو جاؤ لوگوں کا تجسس کرنے اور لوگوں کے پیچھے بھاگنے سے سو جانا ہزار گنا بہتر عمل ہے کم از کم اپنے جسم کو راحت تو ملے گی اور گناہ سے تو آدمی بچے گا۔

سوال۔ دارالعرفان کے تربیتی پروگرام سے کیا مراد ہے روحانی تربیت یا ظاہری جبکہ یہاں پر دو حصے بیان ہوتا ہے اور ایک حصہ وقت ذکر کا۔

جواب۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سلاسل تصوف جو ہوتے ہیں یہ ہوتے ہیں روحانی تربیت کے لئے۔ ظاہری تعلیم کے لئے مدارس ہوتے ہیں علماء حضرات بڑے زور شور سے یہ جو کام ہے کر رہے ہیں اور ملک بھی میں ہو رہا ہے سلاسل تصوف جو ہیں ان کا موضوع قلب ہوتا ہے روح ہوتا ہے اور روحانی تربیت ہوتی ہے۔ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں تو چیدہ چیدہ ذکر ہوتا تھا۔ اور بیان کا اگر کوئی وقت تھا تو وہ بھی ذکر کے کسی پروگرام میں۔ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان تو میں نے سنا نہیں۔ کبھی کبھی جب کچھ نئے دوست ہوتے تھے تو مجھے فرما دیتے تھے

میں کبھی کبھی بیان کیا کرتا تھا وہ بھی اسی طرح کہ ان لوگوں کو کچھ اپنے مقصد سے یا اپنے تربیت کی ضروریات سے آگاہی ہو۔ اب اس ضمن میں چند چیزیں آ جاتی ہیں جو بنیادی ہیں۔ مثلاً" وضو کا مسنون طریقہ یا صحیح طریقہ۔ نماز کے اوقات کی پہچان ۔ الفاظ کی صحت مفہوم کی سمجھ بنیادی جو ضرورتیں ہیں۔ اگر ایک آدمی کو وضو کرنا ہی نہیں آتا تو وضو صحیح نہیں ہو گا اس کی نماز صحیح نہیں ہو گی نماز ہی ادا نہیں ہوتی تو روحانی تربیت کیا ہوگی۔ تو یہ جو بنیادی چیزیں جس طرح تبلیغی جماعت والے سکھاتے ہیں۔ Basic وہ چیزیں نہایت ضروری ہیں ان کے ساتھ اگلے لمبے تعلیمی پروگراموں کا یہ موقع نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کم از کم اتنے مطالعہ کی عادت تو لوگ ڈالیں کہ وہ مہینے میں چالیس پچاس صفحات کا المرشد تو پڑھ لیں۔ اور اگر اتنا بھی نہیں کر سکتے تو پھر ان کے لئے لیکچروں کی فرصت کہاں ہے جو شخص اتنا بھی نہیں کر سکتا میرے خیال میں وہ جاننا ہی نہیں چاہتا پڑھنے والے تو روزانہ ایک ایک حرف اخبار کا پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ پھر جو تصنیفات اس موضوع پہ ہیں ادارے کی وہ پڑھیں اور اگر نہیں پڑھنا چاہتے تو انہیں زبانی سنانے کی کیا ضرورت ہے وہ کم از کم لطائف تو کرتے ہیں کرتے رہیں۔ لیکن ایک بات میں بتا دوں کہ جب بھی لطائف راسخ ہوتے ہیں تو ان چیزوں کو جاننے کی ضرورت مزاج میں پیدا ہو جاتی ہے ان کو جانے بغیر گزارا نہیں رہتا۔ بوڑھے بزرگ سفید ریش لوگ بھی جو ذکر کرتے ہیں تو ان کے لطائف راسخ ہوتے ہیں۔

مقامات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک ہوتا ہے شیخ کے ساتھ رہتے ہوئے شیخ کی قوت پر روح کہیں پہنچ جائے ایک ہوتا ہے کہ روح کا اپنی ذات کا خاصہ بن جائے مقصد جو ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے روح کا اپنی ذات میں استعداد پیدا ہو کہ وہ اس چیز کو جذب کر کے اپنا خاصہ بنا لے تو اس کے لئے یہاں جتنا وقت آپ گزارتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ وقت ذکر پہ لگنا چاہئے۔ اب یہ رواج ہو گیا ہے کہ جو بھی ذکر کروانا چاہتا ہے اسے ایک ایک گھنٹہ وقت ملے تو پینتالیس منٹ وہ تقریر کرتا ہے پندرہ منٹ ذکر بھی کرا دیتا ہے اس کی کیا تک ہے ایک ہی بات کو دس آدمی دن میں دس مرتبہ آدھا آدھا گھنٹہ کیوں دہرائیں بات تو وہی ہوتی ہے۔ میرا معمول تو یہ ہے کہ ذکر کے دوران میں تو کوشش کرتا ہوں کہ ہر ساتھی جس کے ساتھ کوئی نیا ساتھی بیٹھا ہے طریقہ ذکر بھی بتا دے اور اسے لطائف کی جگہ بھی بتا دے اللہ اللہ خیر صلا۔ تو ایک آدھ منٹ میں کام ہو جاتا ہے تو جو بھی جاننا چاہتا ہے اپنے ساتھ والے سے پوچھ لے ابھی آیا ہے نیا آیا ہے اس سے پوچھ لے اس کے بعد ان چیزوں کے بارے جانتا جائے گا تو یہ ایک بیماری بن گئی ہے ایک رواج بن گیا ہے اس کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے اس کا حصہ نہیں جس ساتھی کو لطائف کرانے کے لئے کہا جائے وہ ذکر کرائے اپنا زور بیان کسی اور روز کے لئے اٹھا رکھے۔ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی زیادہ وقت بیانات پہ صرف ہو اور تھوڑا سا وقت ذکر پہ صرف ہو۔ ظاہری تربیت میں ضروریات کا جاننا ضروری ہوتا ہے ان کے متعلق بتانا اس کا اہتمام کیا جائے اس سے آگے تفاصیل وہ لوگوں کے پاس عمر پڑی ہے مطالعہ کریں پڑھیں سیکھیں سمجھیں۔

سوال۔ دوسرا سوال جو ہے یہ بھی بہت اہم ہے کہ آج کی ہدایات میں بتایا گیا کہ روحانی بیعت کے لئے پندرہ دن دارالعرفان میں حاضری لازمی ہو گئی ہے؟

جواب۔ نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اس دفعہ لندن گیا تھا تو تین دن میں ایک آدمی کو فنافی الرسول بہت اچھا اعلیٰ واضح نصیب ہو گیا اللہ کی مرضی۔ اللہ نے اسے دیا تو ہم کون ہوتے ہیں اسے پندرہ دن روکنے والے۔ ہمارا ہم جماعت یا ہم سے آگے تھا ایک شخص تو وہ ایک ہفتہ آ کر حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرا تھا تو فنافی الرسول روحانی بیعت فنا بقا سالک المجذوبی تک روشن واضح مراقبات اسے ہو گئے تو کر کے چلا گیا۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ دو میں سے ایک کیفیت بندے کو نصیب ہونی چاہئے یا تو اس

کے مشاہدات ہوں اسے وہ منازل نظر آتی ہوں منزل نظر آتی ہو اپنی روح نظر آتی ہو یا اپنی روح اور منزل دونوں نظر آتی ہوں یہ بھی نہیں تو اس منزل کے انوارات تو نظر آتے ہوں یہ بھی نہیں تو شاید وہ وجدان رکھتا ہو اور اس کے قلب میں یہ یقین پختہ دیکھنے سے زیادہ قوی حاصل ہو جائے کہ اسے یہ منزل حاصل ہے ایک دن میں بھی ہو جائے اور ساری عمر نہ ہو تو ساری عمر اس کے لئے کوشش کرتا رہے۔ اس لئے یہ کوئی شرط نہیں کہ کوئی پندرہ دن ہی رہے پانچ دن رہے یا سارا اجتماع رہے۔ ہاں ویسے اگر کہہ دیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ وقت کوشش کریں لگانے کی تو یہ ضروری ہے اس لئے کہ اگر آپ ایک پورے سسٹم کو سٹاپ کرتے ہیں۔ مجھے اگر آپ چالیس دن روکتے ہیں تو میں تو ایک پورے اس عہد کی پوری دنیا میں کام کر رہا ہوں تو اگر آپ وہ پورا فلو روک کر ایک جگہ رکھتے ہیں تو آپ کو بھی چاہئے کہ آپ بھی زیادہ سے زیادہ وقت اس پر لگائیں صرف یہ نہ ہو کہ میں چالیس دن بند رہوں اور آپ ایک دن آ کر زیارت کر کے چلتے جائیں تو اس سے تو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

سوال۔ دوسرا یہ جو ہے اس کے آگے اس کا دوسرا حصہ ہے کہ روحانی بیعت کے لئے حتمی فیصلہ بیعت کمیٹی کرے گی؟

جواب۔ یہ بیعت کمیٹی وغیرہ کچھ نہیں صرف یہ ہے کہ کچھ ساتھی چونکہ میرے پاس زیادہ فرصت نہیں ہوتی تو کوئی ساتھی جسے یہ حاصل ہو کسی بھی بڑے ساتھی کو یا خود مجھے بتا دے کہ میری یہ کیفیت ہے مجھے بیعت کرائی جائے تو مجھے کیا اعتراض ہے بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ کچھ ساتھیوں کو وہ مراقبہ ہوتا ہے ان کی روح وہاں پہنچتی ہے اس کے انوارات ان تک پہنچتے ہیں لیکن ان کی اپنی محسوسات کمزور ہوتی ہیں تو ہم نہیں کرایا کرتے بیعت اس لئے کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ پتہ نہیں کچھ ہے بھی کہ نہیں ہے یہ خواہ مخواہ ہم پر ڈالنا چاہتے ہیں بیعت کہ کرا دیا۔ تو اگر اس سلسلے میں بھی خدانخواستہ ہیرا پھیری ہو گئی تو پھر حق کہاں ہو گا۔ کہاں سے ملے گا

؎ چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

یعنی اگر خلوص سلاسل اذکار میں اور اذکار الٰہی میں اور ذکر کرانے اور کرنے والوں سے بھی اٹھ گیا تو دنیا میں کہاں ملے گا تو وہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

کہ ایسے احتمالات اور ایسے مقامات سے بچنا چاہئے جہاں تہمت لگنے کا اندیشہ ہو کسی ایسے بازار سے جو بدنام ہے خواہ مخواہ نہیں گزرنا چاہئے کہ یہ لوگ یہ سمجھیں یا خواہ مخواہ شراب خانے میں نہیں جانا چاہئے کہ لوگ سمجھیں کہ یہ گیا تو کیوں گیا۔ اسی طرح کوئی ایسا کام بھی نہیں کرنا چاہئے جس سے اگلے کو یہ فکر ہو کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے اگر اس طرح کا خیال شیخ کے ساتھ پیدا ہو جائے تو پھر وہ ہمیشہ کے لئے مانع فیض بن جاتا ہے تو جانبین کی سلامتی اسی میں ہوتی ہے کہ کسی کو بھی کسی الجھاؤ میں نہ ڈالا جائے کوشش کی جائے کہ ہر آدمی صاف صاف بات کو سمجھ سکے کمیٹی وغیرہ کی شرط تو نہیں ہے شرط صرف یہ ہے کہ کچھ دوستوں سے کہہ دیا جاتا ہے کہ ساتھیوں کی بات سن لو یا انہیں ساتھ بٹھا کر ذکر کرا لو واقعی اندازہ ہو جائے کہ انہیں مراقبات نصیب ہوتے ہیں تو جب ہوتے ہیں تو ہمیں بیعت کرانے سے کیا اعتراض ہم تو جس کی بیعت ہو جاتی ہے ایک حد تک بڑی حد تک فارغ سے ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک ٹھکانے پہ لگا۔ تو اسے بہت بڑا سہارا مل جاتا ہے۔

سوال۔ نماز کے لئے حدیث ہے کہ جب آدمی سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو ہر آیت کے بعد اللہ کریم اسے جواب دیتا ہے یا کلام کرتا ہے تو کیا عام آدمی وہ آواز سن سکتا ہے۔

جواب۔ عام آدمی تو نماز بھی نہیں پڑھ سکتا سن کیا سکتا ہے عام آدمی تو اٹھک بیٹھک کرتا رہتا ہے کہ عادت پوری کرتا ہے اللہ کریم قبول فرما لیں۔ یہ نماز بھی غلط العام ہو گیا ہے نماز دراصل یہ جو لفظ ہے یہ اسلامی نہیں ہے آتش پرست جو طریقہ عبادت اختیار کرتے تھے آگ کے گرد حلقہ

بنا کر اسے نماز کہا جاتا تھا اور آتش پرست جو تھے ان کے جو لوگ عبادت کرنے والے تھے وہ بہت شدید قسم کے مجاہدے کرتے تھے حتی کہ وہ اگر حلقہ بنا کر آگ کے گرد بیٹھتے تو برسوں نہ آگ بجھنے دیتے نہ خود اس حلقے سے باہر جاتے برسوں تک بیٹھا کرتے تھے بلکہ ان کے اکابر جو تھے وہ بیٹھے بیٹھے اسی آگ کے گرد بوڑھے ہو جاتے تھے ضعیف ہو جاتے تھے لیکن وہ اس آگ سے نگاہ نہیں ہٹاتے تھے اور عجیب عجیب شعبدے اور شیطانی قوتیں مل جاتی تھیں۔ تو اصل تو صلوۃ ہے یا پھر اسے ترجمہ کیا جائے تو عبادت کیا جائے لیکن چونکہ یہ غلط العام ہو چکا ہے تو جب ہم یا ہمارے اس دور کے لوگ ہیں ہم سب جب اس کو ہم کرتے ہیں

جس طرح خدا کوئی اسلامی لفظ نہیں ہے خدا کا لفظ فارسی والوں کا تھا بھلائی کا ایک خدا اور برائی کا ایک خدا۔ اس کا ترجمہ عیسائیوں نے گاڈ کو اور گاڈ کر انہوں نے بیوی دی اسے گاڈس کہا اسی کا ترجمہ ہندوؤں نے دیوتا کیا اور اس کی دیویاں بنائیں اور خدا ایسا لفظ ہے جس کے ساتھ اس کی بیوی بھی منسوب ہے اور اس کثرت کا لفظ بھی منسوب ہے اس کی اولاد کا تصور بھی منسوب ہے اور اہرمن اور یزدان دونوں خدا تصور ہیں ایک نیکی کا ایک برائی کا اب قرآن حکیم کے ترجمے میں بھی آپ دیکھیں تو عربی میں اللہ لکھا ہوا ہے نیچے خدا لکھا ہوا ہے اصل لفظ تو اللہ ہے وہ غیر منقسم ہے جس کے ساتھ دوئی کا تصور نہیں ہے جس کے ساتھ بیوی بچوں کا کوئی جھوٹا تصور بھی نہیں ہے جس کے دو ہونے کا کوئی امکان تک نہیں ہے کسی طبقے کسی مکتب فکر کے پاس دو اللہ کا تصور نہیں ہے دو خداؤں کا ہر جگہ ہے دس خداؤں کا ہر جگہ ہے جھوٹے خداؤں کا تصور دنیا میں ملتا ہے جھوٹے اللہ کا تصور نہیں ملتا۔ لیکن یہ بھی اس طرح غلط العام ہو گیا تو بعض چیزیں جو غلط العام ہو گئی ہیں انہوں نے غیر شعوری طور پر آدمی کے سمجھنے میں اشتباہ پیدا کیا۔

تو دراصل صلوۃ ایک ایسی حالت کا نام ہے جس کا ترجمہ نماز کر دیا گیا ہے کہ آدمی ہر طرح سے منقطع ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جائے اور اس حال میں عبادت کرے ورنہ تو ہر اطاعت عبادت ہے آپ سنت کے مطابق کوئی کام بھی کرتے ہیں یا شریعت کے حکم کے مطابق کوئی کام بھی کرتے ہیں تو وہ عبادت ہے وہ خواہ روزی کماتے ہیں خواہ کھاتے پیتے ہیں خواہ بچے پالتے ہیں ہر کام عبادت ہے حتی کہ حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"کہ مومن بیوی بچوں کو جو کھانا دیتا ہے وہ صدقہ شمار ہوتا ہے۔"

تو عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیوی بچے تو اس کی ذمہ داری ہے صدقہ کیسے؟ فرمایا یہی تو صدقہ ہے اس کی ذمہ داری ہے جب وہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے تو اللہ کی اطاعت کرتا ہے اللہ کی عبادت کرتا ہے صدقہ تو ہو گیا اللہ کے حکم سے خرچ کرتا ہے اللہ کے حکم سے خرچ کرنا ہی صدقہ ہے تو جو ذمہ داری اللہ نے ڈالی ہے۔ تو گویا ہر وہ کام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق سنت کے مطابق یا اللہ کے ارشاد کے مطابق کیا جاتا ہے وہ عبادت ہے تو پھر یہ صلوۃ عبادت کیسی ٹھہری بھائی۔ تو عام عبادت میں اور صلوۃ میں فرق یہ ہے۔

کہ عام عبادت آپ دنیا کا کام کر رہے ہیں اس میں غرض یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے توجہ تو اس کی طرف ہے صرف اس میں احتیاط اتنی ہے کہ اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہونے پائے تو یہ عبادت ہو گی۔ صلوۃ وہ عبادت ہے کہ آپ ساری کائنات سے کٹ کر۔ حتی کہ صوفی اگر کھڑا ہو ادا کر رہا ہے صلوۃ تو ساتھ اس کے شاگرد یا دوسرا دوست کھڑا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی قلبی کیفیات اس پر القاہوں تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی ختم ہو جائے گی اس کا تسلسل نہیں رہے گا۔ یعنی صلوۃ وہ عبادت ہے کہ جس میں آپ کلی طور پر مخلوق سے منقطع ہو کر خالق کی طرف متوجہ ہو جائیں اب یہ جتنے مجاہدے ہیں ذکر

. کے یا جتنے مجاہدے ہیں تربیت کے یا جتنا کام یہ ہے اس لئے کہ ہمیں وہ حال نصیب ہو جائے اور اگر وہ حال نصیب ہو جائے تو پھر اسے ہر اس آیت کا جواب بھی سمجھ آتا جاتا ہے اللہ چاہتا ہے جس طرح سنوا دیتا ہے چونکہ کلام الٰہی کا سننا جو ہے وہ اس طرح سننا نہیں ہوتا جس طرح بندے کی آواز سنتے ہیں اس کے اپنے مختلف انداز ہیں۔ اور اگر آواز بھی سنائی دے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنائی دیتی تھی تو اس میں مفسرین اور علماء لکھتے ہیں کہ اس طرح نہیں کہ ان کے کان سنتے تھے یا کسی سمت سے آواز آتی بلکہ ان کا پورا جسم جو ہے وہ کان کا کام کرتا تھی دوسرے یہ کہ اللہ کی طرف سے جو بات ہوتی ہے وہ پوری قوت سے وہ دل میں ڈال دیتا ہے یا آدمی محسوس ایسے کرتا ہے میں سن رہا ہوں حالانکہ بات اس کے دل میں آ رہی ہوتی ہے یہ صرف حالتیں ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ جواب تو ہر اس جملے پہ ارشاد ہوتا ہے جو مخلوق سے منقطع ہو کر اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے اب جواب کا موصول ہونا اور سننا دو الگ کام ہیں آپ کسی آدمی کو آواز دیتے ہیں سننا نہ سننا یہ ایک الگ شعبہ ہے کہ وہ بہرہ تو نہیں سن تو سکتا ہے بہرہ ہے تو کیا سنے گا۔ تو یہ سارا مجاہدہ اسی لئے ہوتا ہے کہ اللہ کریم کے ساتھ اتنا ربط اور مخلوق سے اتنا انقطاع نصیب ہو جائے مخلوق میں رہتے ہوئے۔

اسلام میں کمال یہ ہے کہ اسلام نے جو کام کیا ہے یہ سب سے کامل اور اکمل ترین کام یہ ہے کہ مخلوق میں رہتے ہوئے بستے ہوئے مخلوق سے انقطاع نصیب ہو جائے اسلام سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو اسلام تھے یا جو ادیان تھے ان میں یہ بات اس درجہ نہیں تھی بلکہ ان کا بہت بڑا شعبہ یہ تھا کہ مخلوق سے آدمی الگ ہو جائے گوشہ نشین ہو جائے دنیا کی زندگی چھوڑ دے لوگوں سے میل جول چھوڑ دے بلکہ پہلی امتوں میں بات نہ کرنے کا روزہ ہوتا تھا کہ میں دو روز چار روز دس روز سال کے لئے رکھ رہا ہوں دو مہینے کے لئے روزہ رکھ رہا ہوں کسی سے بات نہیں کروں گا اس سے صرف یہ ہوتا تھا کہ وہ بات نہ کر کے اپنی زبان کی حفاظت کرتا تھا جس سے ؎

دل ز پر گفتن میرد در بدن
درچہ گفتارش بود در عدن

• ہم جو وعظ کرتے ہیں لیکچر کرتے ہیں تقریریں کرتے ہیں تبلیغ کرتے ہیں اس سے بھی مشاہدات بند ہو جاتے ہیں اگلے کی نہ سنیں اپنی سناتے رہیں اور بات دین کی ہو لیکن قلبی کیفیات میں وہ قوت پیدا کرتی ہے ثواب زیادہ ہوتا ہے لیکن مشاہدات بند ہو جاتے ہیں حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ اس کی تعبیر فرمایا کرتے تھے کہ جیسے کوئی گلی کو محلے کو مکان کو صاف کر دے جھاڑو سے صفائی تو ہو جائے گی لیکن صفائی کے دوران اس کے کپڑوں پر گرد ضرور پڑے گی اس کے کپڑے گندے ہوں گے۔ یہ صفائی کا خاصہ ہے جو کام وہ کر رہا ہے۔ تو بات نہ کر کے وہ اس کیفیت سے بچتے تھے یا بات سنی جائے۔

تو یہود پر جو عتاب آیا تھا اس کی جو دو وجوہات کتاب اللہ نے ارشاد فرمائیں یہ حرام کھاتے ہیں اور جھوٹ سنتے ہیں۔ یعنی غلط بات کا جو سننا ہے وہ تو ایسی ظلمت ہے اس پر عذاب کی وعید ہے اور یہود پر اس بات پر عذاب نازل ہوا اس بات پہ تباہ کیا گیا کہ یہ جھوٹ سنتے ہیں کہ اب جھوٹ کہنا جو ہے اس کا اندازہ لگا لیجئے کہ جھوٹ سننے سے اگر دل کا حال اتنا بدلتا ہے اور حق بات کہی جائے صحیح بات کہی جائے تو اب ہم آپس میں جو باتیں کر رہے ہیں تو یہ ممکن نہیں کہ جو میرے دل کی یا میرے مزاج کی جو کیفیت ہے کسی حد تک آپ پر وہ وارد نہ ہو۔ ہر لفظ کے ساتھ وہ ضرور ہوں گے تھوڑے ہوں زیادہ ہوں۔ لیکن یہ بھی ممکن نہیں کہ یکطرفہ ٹریفک چلتی رہے جتنے سامعین ہیں اور جتنے جس طرح وہ متوجہ ہیں اس کیفیت کے ساتھ ان سب کے اثرات مجھ پر بھی آئیں گے کہ جس ماحول میں جس معاشرے میں جس موضوع پہ آدمی بات کرتا ہے اس طرح کے اثرات اس پہ تو پہلی امتوں میں یہ بھی سہولت دی گئی

تھی کہ چپ کا روزہ رکھ لیا جائے اور یہ مشروع تھا اپنی طرف سے کوئی کرے لیکن شرعاً" اس کی اجازت تھی۔

پھر رہبانیت یعنی الگ ہو جانا شادی نہ کرنا کسی سے بات نہ کرنا گوشہ نشین ہو جانا یہ بہت بڑا ایک۔ یہ ساری چیزیں اس لئے تھیں کہ ظاہری طور پر بھی مخلوق سے اتنا انقطاع حاصل کیا جائے کہ اس سے مدد ملے متوجہ الی اللہ ہونے میں اسلام میں یہ قوت اللہ نے رکھ دی کہ اسلام کے احکام کو سمجھو پہلے اسلامی عقائد کو سمجھو پھر اسلام کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ سیکھو یہ اتنا مضبوط طریقہ ہے کہ مخلوق میں رہتے ہوئے آپ مخلوق سے الگ ہوں اور یہ بہت بڑا کمال ہے۔ مولانا رومی نے اس کی مثال دی ہے مرغابی سے۔ کہ جیسے مرغابی ساری عمر پانی میں بسر کر دیتی ہے لیکن اس کے پروں کے اندر پانی نہیں ہوتا۔ اس کا جسم کبھی گیلا نہیں ہوتا وہ انڈے پانی میں دیتی ہے۔ بچے پانی میں نکالتی ہے رات دن پانی میں بسر کرتی ہے لیکن اس کا جسم نہیں بھیگتا۔

تو مومن سارا کام دنیا میں دنیا کا کرتا ہے لیکن ہر کام میں وہ اللہ کی اطاعت کو جب مد نظر رکھتا ہے تو متوجہ الی اللہ رہتا ہے جو وہ کمی ہوتی ہے توجہ میں' دنیا کا کام کرنے سے اس کو پورا کرنے کے لئے یہ پانچ اوقات عبادت کے ایسے مقرر کر دیئے گئے کہ یہ لمحات کلی طور پر اللہ اکبر کہہ کر اپنے اور ساری کائنات کے درمیان ایک پردہ کھڑا کر دے۔ الگ ہو جائے اس سے۔

اور صرف اور صرف اللہ کریم سے مخاطب ہو۔ یہ متوجہ الی اللہ ہونا چار رکعت دو رکعت دس رکعت یا پندرہ رکعت جتنی جس وقت کی رکعت مقرر ہیں تو وہ لمحات اس کی وہ کمی پوری کر دیں گے جو وہ دنیوی امور میں مصروف رہا اور متوجہ الی اللہ ہونے میں کمی ہوئی دن کی ابتدا کرتا ہے۔ متوجہ الی اللہ ہو کر کرتا ہے۔ آدھے سے کم دن کام کر کے پھر ظہر کے وقت پھر حاضر ہوتا ہے خلا کو پورا کرنے کے لئے پھر عصر تک کام اگر کرتا ہے تو پھر حاضر ہوتا ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مغرب تک کرتا ہے تو پھر حاضر ہوتا ہے اسی طرح سونے سے پہلے پھر عشاء۔ اسی لئے آپ نے دیکھا ہو گا حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ عشاء سے پہلے نہ سویا جائے بلکہ کام نپٹائے جائیں اور آخری کام جو ہے وہ عشاء کی نماز ہو اور آدمی وہ ادا کر کے عشاء کی تو سو جائے تو وہ جو سارا خلا آیا تھا نیا پیدا نہ کرے اسے اس صلوۃ کے ساتھ ختم کر دے دن کو اور صبح اٹھے تو پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔

یہ بھی آپ نے پڑھی ہو گی حدیث یا سنی ضرور ہو گی کہ ایک وقت کی عبادت جو ہے وہ کر کے اگر مومن اپنے کام کاج کرتا ہوا اس انتظار میں بھی ہے کہ عبادت کا وقت ہو میں ادا کروں اس طرف متوجہ بھی ہے تو اس کا حال ایسا ہے گویا وہ عبادت سے باہر آیا ہی نہیں مسلسل عبادت ہی کر رہا ہے کیونکہ عبادت کا مقصود ہی اتصال باللہ ہے۔ تو اگر یہ کیفیت نصیب ہو اور اس سارے مجاہدے میں ان کیفیات کو تلاش کرنا چاہئے۔ ہمارے ہاں تو مصیبت یہ بن گئی نا کہ یہ پیری فقیری اور تصوف جو ہے اس میں زیادہ اب جو ہمارا نظریہ ہے وہ ہندوؤں کے ساتھ میل جول سے ہندوؤں والے دیوی دیوتاؤں کا تصور آگیا ہے کہ جی پیر سے تعلق ہو گا تو یہ کام ہو جائے گا وہ کام ہو جائے گا۔ یہ مرض ٹھیک ہو جائے گا بچے ہو جائیں گے۔ نوکری مل جائے گی۔ بنیادی طور پر یہ سارے مذاہب باطلہ کے تصورات ہیں جو اپنے باطل خداؤں کے ساتھ رکھتے ہیں چونکہ مذاہب باطلہ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ دنیوی فوائد کو اپنی عبادات کے ساتھ نتھی کر لیتے ہیں لوگوں کو الجھانے کے لئے اسلام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہونا ہے وہ طے ہو چکا ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ جسے صحیح سمجھتے ہیں اس کے لئے محنت کریں اور جو محنت اس کام کے لئے کر رہے ہیں اسے اللہ سے بھی اس کی مدد مانگیں اور اس سے دعا کریں کہ یہ کام اس طرح کر دے لیکن ہو گا وہی جو اس نے طے کر دیا یہ اس کی مرضی۔ ہم اپنی کوشش کے مکلف

ہیں۔

تو یہ بہت بڑا فاصلہ ہے یہی حال وہاں یہ ہے کہ دیوی یا دیوتا جو چاہے کر دیتا ہے ہمارے ہاں یہ آ گیا کہ پیر جو چاہے کر دیتا ہے حالانکہ پیر بے چارا تو خود اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا اپنی پسند سے مرتا نہیں کسی کے لئے کیا کرے گا۔ اپنی مرضی سے بیمار نہیں ہوتا اپنی مرضی سے صحت نہیں وہ خود محتاج ہے کسی نے اس کو پیدا کیا کوئی اسے زندگی دے رہا ہے کوئی اسے زندہ رکھے ہوئے ہے وہ کیا کرے گا۔ کسی کے لئے اس کی پسند کی کیا حیثیت۔

ایک بڑا مزے دار واقعہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں مفسرین نے نقل کیا کہ ایک دفعہ آپ علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے آپ علیہ السلام نے چھپکلی شہتیر کے ساتھ دیکھی۔ آپ علیہ السلام کو خیال گزرا کہ بار الٰہا اب اس مکروہ سے کیڑے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ گھروں میں لوگوں کو تنگ کرتا پھرتا ہے اور سارا وجود اس کا پاؤں سے چوٹی تک زہر ہے کسی کھانے میں گر جائے تو زہر ہو جاتا ہے اور سوائے بدبو پھیلانے کے یہ کرتا بھی کچھ نہیں تو ارشاد ہوا کہ اس کی طرف بھی متوجہ ہوں وہ بھی بات کر رہی ہے میرے ساتھ۔ تو آپ علیہ السلام نے اس طرف توجہ کی تو وہ کہہ رہی تھی کہ بار الٰہا لوگ تجھے مانیں نہ مانیں تیرا کیا بگڑ رہا تھا وہ آرام سے بیٹھے ہوئے تھے تو نے موسیٰ علیہ السلام بھیج دیا کہ مجھے منوائے اور سارے ملک میں فساد کھڑا ہو گیا اور لوگ ایک دوسرے کو مار رہے ہیں کیا ضرورت تھی تجھے موسیٰ علیہ السلام بھیجنے کی۔ اگر تجھے لوگ نہیں مانتے تو تیرا کیا بگڑ جاتا تھا۔ اپنا بگاڑ رہے ہیں جو مانتے ہیں وہ پہلے مان رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام بھیج کر کیا فساد کھڑا کر دیا۔

نماز، یہ تعلق کی ایک صورت ہے کہ کوئی بات تو کر سکتا ہے کہ پروردگار میرے ساتھ ایسا کر۔ دعائیں جو ہیں یہ بھی تقدیر کا ایک حصہ ہے۔ اگر کسی کی دعا سے کوئی نتیجہ نکلتا ہے تو یہ بھی ازل سے طے شدہ ہے جیسے ایک آدمی بیمار ہو گا تو فلاں دوا کھائے گا ٹھیک ہو جائے گا۔ مقرر ہے اسی طرح دعا بھی مقرر ہے کہ فلاں کے لئے فلاں دعا کرے گا تو یہ نتیجہ ہو گا تو وہ ہو گی۔

لیکن عقیدہ اسلامی یہ ہے کہ مانگنے کا حق دیا ہے اللہ نے یہ کہ اس کے ساتھ ہمارا رشتہ ہے ہمیں محنت کرنے کا حق دیا ہے اور اس کا طریقہ سمجھایا گیا ہے ہمارے ذمے ہے اب اس کے نتائج کیا مرتب ہوتے ہیں یہ اس کی پسند ہے جہاں تک ہمارا اختیار ہے ہم اپنی پسند استعمال کر سکتے ہیں اپنی پسند کی کوشش کر سکتے ہیں۔ جہاں اس کا فیصلہ ہے وہاں ہمیں اس کی پسند کو قبول کرنے کی استعداد پیدا کرنا ہے۔ تو یہ کیفیات اگر نصیب ہوں تو سب کچھ ممکن ہوتا ہے بلکہ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہیں اللہ کی زیارت بھی ہوئی۔

اگرچہ اس موضوع پہ علماء نے بہت باتیں کی ہیں بہت بحثیں کی ہیں بہت علمی نقاط اٹھائے ہیں۔ اللہ کی زیارت اللہ جل شانہ کی جو زیارت ہے یہ آخرت سے پہلے ممکن نہیں لیکن ایک چھوٹی سی بات اس سارے زور کو توڑ دیتی ہے کہ ناممکن کا تصور بھی ناممکن ہوتا ہے آدمی بغیر جہاز کے یا بغیر مشین کے اڑ نہیں سکتا تو آپ اگر کسی کو کہیں کہ بیٹھ کر تصور کرو کہ میں اڑ رہا ہون تو اس کے لئے وہ تصور ہی محال ہے وہ بیٹھ کر یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اڑ رہا ہوں وہ سوچے گا تو اس کی سمجھ میں یہی آئے گا کہ میں جہاز میں اڑ رہا ہوں یا میں نے پر لگا رکھے ہیں یا میں نے کوئی مشین پکڑ رکھی ہے کوئی مجھے اٹھا کر لے جا رہا ہے از خود پرندے کی طرح اڑنے کا تصور اس کے ذہن میں کیسے آئے گا نہیں آ سکتا محال کا تصور بھی محال ہوتا ہے۔ اور اللہ کی عبادت میں تو یہ بنیاد بنا دی گئی یہ کم از کم یہ یقین پیدا کرو کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اگر یہ محال تھا تو اس کا حکم کیوں دیا گیا محال کا تو حکم نہیں دیا جا سکتا ناممکن کا حکم تو نہیں دیا جا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جنہیں یہ نعمت نصیب ہوتی ہے وہ اس زمانے اور اس زمین کی حدود سے نکل چکے ہوتے ہیں اگر محال کہا جاتا ہے تو دنیوی فضا جو ہے یا دنیوی حیات

جو ہے ایک حیات بسیط کافر کو بھی ایک انسانی زندگی حاصل ہے جس طرح کی مومن کو۔ اس میں تو محال ہے۔ لیکن اگر کوئی اس زندگی کو ملائکہ سے بھی اعلیٰ زندگی کا روپ اللہ کسی کو دے دے تو پھر وہ محال اٹھ جاتا ہے۔ یہ تو اپنے اپنے نصیب اور حصے کی بات ہے کہ اللہ کریم نے کسی کو کیا کچھ دیا تو ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہیں اللہ کی زیارت نصیب ہوتی تھی ان کے سوانح میں یہ بات ملتی ہے انہوں نے اسے کوئی چھپایا نہیں کہہ دیا۔ تو یہ تو اپنے اپنے قرب کی کیفیات ہیں لیکن ان سب کی پہلی بنیاد عقیدہ ہے اگر عقیدہ صحیح نہیں ہے تو کسی عمل کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ آپ جتنا گارا مٹی چونا اینٹ لگا رہے ہیں وہ ہوا میں ہے وہاں کوئی عمارت نہیں بنے گی۔ آپ ہاتھ سے چھوڑتے جائیں گے وہ گرتا جائے گا اور عمارت کا تصور نہیں بنے گا۔ بنیاد یا زمین جو ہے وہ عقیدہ ہے اور عقیدہ بعینہٖ وہ اپنایا جائے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمایا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اسے صحابہ نے سمجھا۔ صحابہ نے اس پر عمل کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل کو قبول فرمایا۔ یہی شرط قرآن حکیم نے لگائی ہے۔

اگر یہ لوگ اس طرح مانیں جس طرح کہ تم نے اے صحابہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم لوگوں نے جس طرح مانا ہے تو یہ لوگ ہدایت پا گئے۔

تو وہ گمراہی کا اور تباہی کا شکار ہوں گے تو یہ بنیاد ہے کہ عقیدہ کھرا خالص تک سیدھا اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہو نبی کے ساتھ نبی کی تعلیمات کے مطابق ہو اپنی طرف سے رسومات ایجاد کر لینا اور کہنا یہ عشق رسولؐ ہے یہ درست نہیں اپنی طرف سے رسومات ایجاد کر لینا اور کہنا اللہ کی محبت میں کر رہے ہیں یہ درست نہیں۔ محبت میں کوئی کرتا ہے یا پیار میں کرتا ہے کرے گا وہی کچھ جو اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔ سمجھے گا وہی جو اللہ نے سمجھایا ہے مانے گا اسی طرح جس طرح اللہ نے منوایا ہے۔

عقیدے کی صحت کے ساتھ عمل میں بہت قوت پیدا ہو جاتی ہے عمل کی قوت ہی عقیدے کی صحت ہے جتنی جتنی صحت عقیدہ نصیب ہو گی اتنا اتنا عمل مضبوط ہوتا جاتا ہے اور جتنا عمل مضبوط ہو اتنا وصول الی اللہ اور قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

قربانی

ان احباب کی طرف سے دارالعرفان میں قربانی کے جانور ذبح کئے گئے۔

1- حاجی ولائت خان
2- محمد شکیل خان — بریڈ فورڈ
3- محمد منیر
4- سلمان بیگ صاحب
5- محمد اسلم صاحب — مانچسٹر
6- مسز سلطانہ خانم اسلم
7- عبدالمجید۔ ہڈرز فیلڈ UK
8- فیض احمد مہر۔ الیانی USA
9- راشد حبیب نیویارک
10- محمد جہانگیر۔ برمنگھم۔ 2 عدد قربانیاں
11- محمود صاحب۔ UK

دعائے مغفرت

جماعت کے ساتھی محمد مظہر العابد کی والدہ ماجدہ 29 اپریل بروز جمعتہ المبارک کو قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئیں۔

دعا کے لیے درخواست ہے۔

سوال۔ تجلیات ذاتی اور تجلیات صفاتی اور رویت باری میں کیا فرق ہے۔ چھٹے اور ساتویں لطیفے پر کونسی تجلیات آتی ہیں؟

جواب۔ تجلیات ذاتی اور تجلیات صفاتی کا فرق ان کے نام سے ظاہر ہے تجلیات صفاتی ہر صفت کی الگ تجلی ہوتی ہے اس کا رنگ الگ ہوتا ہے اس کی کیفیت الگ ہوتی ہے اس کی اپنی طاقت الگ ہوتی ہے اور جس صفت کی تجلی ہو اس صفت کا ظہور ہوتا ہے مثلاً" اللہ کریم کی صفت ہے کہ وہ سارے جہان کا رازق ہے یا خیر الرازقین ہے تو اگر تجلی اس صفت سے متعلق ہو گی تو جسے مستفید کرے گی اس پر رزق کی فراخی ہو جائے گی۔ اسی طرح اللہ معاف کرنے والا ہے تو اب ہے توبہ قبول کرنے والا ہے تو اس صفت کی تجلی ہو گی تو اس صفت کا ظہور بھی ہو گا اس کے اثرات یہ ہوں گے کہ اس بندے کو توبہ کی توفیق ہو جائے گی توبہ کے بعد گناہ سے بچنے کی توفیق ہو جائے گی توبہ قبول ہو جائے گی اسی طرح جتنی بھی صفاتِ باری قرآن حکیم میں مذکور ہیں جتنے بھی صفاتی نام ہیں ہر صفت کی جو تجلی ہے اس کے رنگ الگ ہیں اور اثرات اپنے اپنے ہیں لیکن جس صفت سے وہ تجلی متعلق ہو گی اس صفت کے نتائج و اثرات کا ظہور ہو گا۔ **اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْز**۔ کسی پر یہ تجلی متوجہ ہو گی تو ہو آدمی مضبوط ہو جائے گا دوسروں کے مقابلے میں اس میں قوت کار قوت برداشت بڑھ جائے گی۔ تجلیات ذاتی ذات باری کی تجلی ہے اور اگر یہ رائی برابر بھی نصیب ہو جائے تو ہمہ اوصاف ترقی نصیب ہوتی ہے یعنی کوئی بھی ایک پہلو ترقی نہیں کرتا بلکہ ہمہ اوصاف ترقی نصیب ہوتی ہے وہ معاملات ہوں وہ رزق کے معاملات ہوں وہ کوئی بھی زندگی کا معاملہ ہو تو ہر معاملے میں دنیا و آخرت کے تمام امور میں ہر طرح سے وہ دستگیری فرماتی ہے۔

رویت باری سے مراد ہے کہ اللہ جل شانہ کا دیدار نصیب ہو کہ جس طرح اس کی ذات کی کوئی تعین نہیں فرمائی جا سکتی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا کہ ہم کہیں کہ اتنا رب کریم کا قد ہے یا ہم یہ کہیں کہ رب کریم کا رنگ ایسا ہے یا ہم یہ کہیں کہ فلاں چیز کے ساتھ مشابہت ہے جس طرح یہ ساری باتیں نہیں کی جا سکتیں تو رویت باری میں بھی کوئی تعین نہیں کی جا سکتی یہ سوال حدیث شریف میں ملتا ہے کہ میدان حشر میں جو رویت باری ہو گی اللہ کریم کو مومن دیکھیں گے تو کیا وہ روبرو دیکھیں گے اپنے سامنے دیکھیں گے اللہ کریم کو تو جواب میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جیسے تم چاند کو دیکھتے ہو لیکن وہ جمال کیسے ہو گا یا کس رنگ میں ہو گا یا کون کیسے دیکھے گا اس کی تعین بیان نہیں فرمائی۔ پھر آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ہر دیکھنے والی آنکھ کی اپنی استعداد ہوتی ہے۔ ایک ہی چیز کو مختلف دیکھنے والے بہت دور تک دیکھتے ہیں ایک آدمی دیکھتا ہے یہ پھل ہے دوسرا اس سے زیادہ دیکھتا ہے اسے دیکھ کر اس کے ذائقے کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے یہ صرف پھل نہیں ہے یہ کھٹا ہوتا ہے یہ ترش ہوتا ہے یہ کڑوا ہوتا ہے تیسرا دیکھتا ہے تو وہ اس کی ترشی اور کڑواہٹ سے آگے چلا جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے کھانے سے انسان کی صحت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں یہ کس بیماری کی دوا ہے یا کسی صحت مند کو بیمار کر دے گا یا اس کے کیا کیا نتائج ہیں جب تین آدمیوں نے ایک پھل کو دیکھا اور تین آدمیوں نے اس کی مختلف جہتیں اور بہت دور تک اسے اپنی اپنی اس استعداد کے مطابق تینوں نے دیکھا تو اگر ایک مادی چیز کو دیکھنے کے لئے ہر ایک کی استعداد جدا ہے تو ذات باری کے لئے رویت باری کی تعین نہیں کی جا سکتی ہر دیکھنے والے کو اس کی اپنی استعداد کے مطابق جمال باری نصیب ہوتا ہے تو جس طرح سے روح پر سوائے اس کے کہ **کل الروح من امر ربی** روح عالم امر سے متعلق ہے اس کا تعلق امر ربی سے ہے اس سے زیادہ کی بحث کی اجازت نہیں دی گئی چونکہ اس عالم میں انسانی شعور کو اتنی استعداد نہیں بخشی گئی جو ان چیزوں کو سمجھے۔ لیکن آخرت کا عالم جدا ہو گا وہاں کی استعداد

جدا ہو گی وہاں تو مومن اللہ کا بہت مقرب بندہ ہے کافر بھی فرشتوں سے بات کرے گا دوزخ کو دیکھے گا جنت کو دیکھے گا یعنی آخرت کی ساری چیزیں کافر کو بھی منکشف ہوں گی اور اتنی نگاہ تو کافر کو بھی ہو گی کہ وہ جہنم سے بیٹھا ہوا یا اتنی قوت اس میں بات کرنے کی بھی ہو گی کہ جہنم سے بیٹھا ہوا جنت والوں سے بات کر رہا ہو گا۔ قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ کافر کہیں گے۔

اَنْ افیضوا علینا من الماء جنتیوں سے کہیں گے کہ بھئی مزے کر رہے ہو دنیا میں اکٹھے رہتے تھے اور نہیں تو ہمیں پانی کا گھونٹ ہی ہماری طرف اچھال دو تو وہ جواب میں کہیں گے۔

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَھَا علی الکٰفِرِیْن یہ ہمارے باپ کی جاگیر تو نہیں ہے یہ جنت تو اللہ کا انعام ہے جس کی ہے اس نے کافروں پر حرام کر دی ہم کیسے دے دیں۔

تو وہ جنت کی بلندیوں پہ ہوں گے وہ جہنم کی گہرائی میں ہوں گے لیکن وہ وہاں سے جنت کی نعمتوں کو دیکھ رہے ہیں مانگ رہے ہیں مانگ رہے ہیں انہیں بات سنائی دے رہی ہے جواب دے رہے ہیں تو اگر کافر کی نگاہ یا اسکی قوت گویائی میں اتنی وسعت آ جائے گی تو اندازہ کر لیجئے جس کے پاس نور ایمان بھی ہو گا اس کی نگاہ کیسی ہو گی۔

اور یہ جو علماء میں اختلاف ہے کہ اس عالم میں رویت باری نہیں ہو سکتی اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ آخرت کی جو قوتیں یا آخرت کے ادراکات یا آخرت کی نگاہ وہ اور شے ہے اور دنیا میں جو استعدادات ہیں وہ اس عالم کے اعتبار سے ہیں اور جو قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جنہیں یہ ہوتی ہے انہیں اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ نگاہ کی ایک حد تک ایسی قوت مل جاتی ہے جو دوسروں کو آخرت میں جا کر ملے گی یہی فرق ہے جو حضرات قائل ہیں وہ قائل ہیں وہ اس طرح سے قائل نہیں کہ عام آدمی کو رویت ہو جاتی ہے وہ بھی اس طرح سے قائل ہیں کہ اللہ کے ایسے بندے جنہیں اس طرح کے ادراکات نصیب ہو جاتے ہیں جیسے فرشتے سے بات کر لینا جنت و دوزخ کو دیکھ لینا آخرت کا مشاہدہ کر لینا تو انہیں ایک قوت جو ہے ادراک کی بڑی حد تک دوسروں سے بہت زیادہ مختلف عطا ہو جاتی ہے۔

چھٹے ساتویں لطیفے پر تجلیات ذاتی آتی ہیں ذات باری کی تجلیات ہوتی ہیں اس لئے نہ ان کے کسی رنگ کی تعین کی جا سکتی ہے نہ کیفیت کی نہ کمیت کی۔ اگر کوئی سمجھ آئے گی تو جیسے بارش کے طوفان میں آسمانی بجلی چمک جاتی ہے غائب ہو جاتی ہے جس کا آپ کوئی نہیں اندازہ کر سکتے کہ اس کا رنگ کیا تھا یا اس کی روشنی کیسے تھی تو اس طرح سے ان تجلیات کی کیفیت بھی ہوتی ہے اور یہ تجلیات ذاتی ہوتی ہیں چھٹے لطیفے پر بھی اور ساتویں پر بھی۔

سوال۔ اگلا سوال یہ ہے کہ معیت ذاتی اور معیت صفاتی میں کیا فرق ہے اس بارے میں تفصیل سے بتایئے؟

جواب۔ مجھے شکایت ہی یہ رہتی ہے کہ ایک تو ہم یہ جو المرشد ہے۔ اسے بالکل اشتہارت سے اس لئے بچاتے ہیں کہ اس میں زیادہ سے زیادہ جو ہیں وہ مضامین موضوع کے متعلق آئیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنی ساری جدوجہد کے باوجود اپنے پاؤں پہ کھڑا نہیں ہو سکتا ہر سال اسے سبسڈائز کرنا پڑتا ہے رسالوں اور خصوصی دینی رسالوں کو تو کوئی خریدتا پڑھتا نہیں ناول افسانے یہ تو لوگ خریدتے ہیں لیکن مذہبی موضوع پر جو رسالے ہیں وہ کوئی خریدتا نہیں بہت تھوڑے لوگ خریدتے ہیں اور ایک آدمی خریدے تو محلہ بھی کہتا ہے یہیں سے پڑھ لیں گے اگر پڑھا بھی تو اور کچھ اکثر یہ ہے کہ ساتھی خریدتے تو ہیں عقیدت کے لحاظ سے بھی اور جو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ اسے خریدا کرو خریدتے تو ہیں لیکن اسے پڑھتے نہیں۔ اگر پڑھا کریں تو معیت ذاتی اور معیت صفاتی پر بڑا مفصل مضمون میں نے دیا تھا المرشد میں۔ بہت سے علماء نے جن کا تعلق حلقے سے تو نہیں ہے لیکن اس موضوع کو بہت سراہا تھا اس میں بہت تفصیل تھی وہ ہیں بارہ صفحوں پر پھیلا ہوا مضمون تھا المرشد میں۔ تو بہر حال میں تفصیل سے کیا کہوں لیکن کچھ نہ کچھ

آگا پیچھا بتا دیتا ہوں۔

معیت باری ہر نبی کو ہر آن حاصل ہوتی ہے نبوت کا خاصا یہ ہے کہ نبی اور رسول کو معیت باری جو ہے وہ ہر آن ہر لمحے اور ہمیشہ حاصل رہتی ہے اللہ کا ساتھ ہوتا لیکن وہ معیت صفاتی ہوتی ہے۔ معیت صفاتی جو ہوتی ہے وہ وہبی طور پر قدرتی طور پر ہر لمحے ہر آن ہر نبی کو حاصل رہتی ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کسی کا آسرا نہیں لیتے کسی سے ڈرتے نہیں۔ کسی کے ساتھ اپنی امیدیں وابستہ نہیں کرتے آپ تمام انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پڑھ لیجئے تو دھمکانے والوں کی دھمکی میں نہیں آتے لالچ دینے والوں کے لالچ میں نہیں آتے کسی کی طرف دیکھتے نہیں کہ یہ دو چار آدمی ساتھ مل جائیں تو بات کریں گے یا فلاں بندہ ہو گا تو بات کریں گے نہیں تو نہیں کرتے کوئی اس طرح کی کمزوری کسی پہلو میں نہیں دکھاتے وہ اکیلے رہیں یا ان کے ساتھ ایک جہان مل جائے اس میں کوئی ان کی ذات کو کوئی فرق نہیں پڑتا جو ذمہ داری ہے اللہ کریم نے تبلیغ کی جو ڈیوٹی لگائی ہوتی ہے وہ کرتے ہی رہتے ہیں اس پہ کوئی خفا ہو یا کوئی راضی رہے ان کی ذات کو کوئی فرق نہیں پڑتا یہ اثرات ہوتے ہیں معیت کے۔ اور معیت صفاتی کے بارے آپ قرآن حکیم میں دیکھیں گے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ جہاں بھی کلام ہوا جیسے حضرت موسیٰ حضرت ہارون علیہما السلام کو بھیجا فرعون کی طرف تو فرمایا **انی معکما اسمع واری**۔یعنی اپنی معیت کو اپنی سماعت ذات سے اور اپنی رویت ذات سے میں تمہارے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں میں دیکھ رہا ہوں۔ معیت تو تھی لیکن اس کے ساتھ دو صفات ارشاد فرمائیں معیت صفاتی ارشاد فرمائی۔ اب یہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو معیت ذات حاصل نہیں ہوتی وہ حاصل ہوتی ہے اور سب سے کامل اور اکمل درجے میں ہوتی ہے لیکن معیت صفاتی جو ہے وہ ان کے وجود یا ان کی ذات کا حصہ ہوتی ہے۔ ہر لمحے بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد بھی نبی منتخب ہونے سے ابدالاباد تک معیت صفاتی حصہ بن جاتی ہے نبی کی ذات کا جب انبیاء علیہم السلام روز الست کو منتخب کئے گئے تو مبعوث ہونا ایک الگ بات ہے لیکن نبی کا نبی ہونا وہ عالم امر میں بھی ہے صلب پدر میں بھی ہے شکم مادر میں بھی ہے دنیا میں بھی برزخ میں بھی ہے میدان حشر میں بھی ہے کوئی بھی حال اس کی ذات سے نبوت کی نفی نہیں کرتی اور جب کوئی حالت نبوت کی نفی نہیں کرتی تو معیت صفاتی کی نفی بھی کسی آن کسی لمحے نبی سے نہیں ہوتی اور یہ ہر نبی کو حاصل ہوتی ہے معیت ذات جب وہ نبی مبعوث ہوتے ہیں اور جب وہ نبوت کا کام کرتے ہیں تو اس میں انہیں معیت ذاتی ہر ایک کی اپنی شان کے مطابق حاصل ہوتی ہے چونکہ معیت ذاتی کا تعلق جو ہے وہ کسب سے ہے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جب مبعوث ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے اس بعثت کے ساتھ پھر اس کی تکمیل کے ساتھ اور ان عبادات کے ساتھ جو انہیں بتائی جاتی ہے یا اس حلت و حرمت یا اس دین کے ساتھ جس کی وہ ترویج کرتے ہیں اسی لئے اس پر خود بھی ہر آن دوسروں سے زیادہ عمل کرتے ہیں کہ وہ معیت ذاتی کے حصول کا سبب ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام سے الگ ابتداء ہی سے معیت ذاتی حاصل تھا۔ قرآن حکیم نے ایک عجیب انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔

اِذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اِذ ھما فی الغار۔ دو میں کا دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غار میں تھا۔ ثانی اثنین دو میں کا دوسرا بھی ساتھ تھا اذھما فی الغار جب وہ دونوں غار میں تشریف لے گئے۔ تو یہ ثانی اثنین سے کہ دو میں کا دوسرے سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں اس وصف کے دو ہی انسان تخلیقی طور پر۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی ذوات مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور غیر نبی کی پوری انسانیت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لئے انہیں ثانی اثنین دو میں کا دوسرا کہا گیا اثنین میں سے ثانی ہ کیسے یہ ایسے کہ ان دو ہستیوں کو تخلیقی طور پر معیت ذاتی حاصل ہے ایک ہستی کو

نبیوں میں سے اس لئے وہ نبیوں کے سردار تھے دوسری ہستی کو غیر نبیوں میں سے اس لئے وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری انسانیت کے سردار ہیں۔ یہ یاد رہے کہ وہی کیفیت معیت جب نبی کو حاصل ہوتی ہے تو بحیثیت نبی کے ہوتی ہے وہ شان الگ ہوتا ہے اور جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ بحیثیت امتی کے بحیثیت غیر نبی کے نصیب ہوئی یہ نہ سمجھا جائے کہ چونکہ انہیں وہبی طور پر معیت ذاتی حاصل تھی تو انبیاء علیہم السلام پر انہیں فضیلت ہو گئی نہیں ہو سکتی۔ چونکہ نبی نبی ہوتا ہے۔ اور اس کو جو کچھ عطا ہوتا ہے اس میں نام کا اشتراک ہوتا ہے۔ کیفیات اور کمیات کا نہیں۔

اب یہ کیسے حاصل تھی تو قرآن حکیم فرماتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کو قرآن نقل فرماتا ہے کہ لا تحزن کہ میری فکر نہیں کرو۔ میرے لئے پریشان مت ہو **اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا** بیشک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے پورے قرآن حکیم میں تمہیں ذات باری کی معیت کسی تیسری ہستی کے ساتھ آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ جتنی معیت ذاتی کسی کو بھی نصیب ہوتی ہے وہ مکلف ہونے کے بعد اور اطاعت الٰہی کے بعد مجاہدے کے بعد اس کے مطابق یا اللہ کی منشا کے مطابق جو اس کے مجاہدے کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں اس سے حاصل ہوتی ہے لیکن وہ وجود کا اور ذات کا حصہ ہوتا ہے یہ انبیاء علیہم السلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ یہاں اس طرف اللہ کی ذات ہے۔ ان اللہ کوئی صفت نہیں ادھر بھی کوئی صفت نہیں ادھر بھی ذات ہے معنا اس میں بھی دونوں ذاتیں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات اس "نا" میں شامل ہیں اور اس طرف اللہ کی ذات ہے یعنی ان دو ذاتوں کو تخلیقی طور پر وہبی طور پر بنیادی طور پر ان دو ذوات مقدسہ کو معیت ذاتی حاصل تھی۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز جو عالم تخلیق میں انسانوں کے لئے قابل حصول ہے وہ کسی نہ کسی ہستی کو حاصل کرا دی جاتی ہے جو مصدر بنتی ہے جو مرکز بنتی ہے جو اس کے منبع بنتی ہے دوسرے انسانوں کے اسے حاصل کرنے کا۔ تو معیت ذاتی یہ ہے کہ بندے کے کسی وصف کو نہ دیکھا جائے اس کے کسی کسب کو نہ دیکھا جائے اللہ کی کوئی صفت اس سے منسوب نہ ہو بلکہ ایک طرف بندہ ہو جیسا بھی ہے گورا ہے کالا ہے چھوٹا ہے بڑا ہے قد والا ہے نہیں قد والا وہ عالم ہے نہیں کوئی بھی شرط نہ ہو صرف بندے کی ذات ہو ادھر کوئی وصف بیان نہ ہو صرف اللہ کی ذات ہو تو یہ کمال جو ہے معیت ذاتی کا یہ تخلیقی طور پر انبیاء علیہم السلام میں سے امام الانبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا خاصہ ہے اس لئے کہ سارے انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کے لئے وہ چشمہ صافی حصول معیت ذاتی کا سبب بن جائے اس لئے ہر نبی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا فرض تھا شرط ایمان تھا۔ ہر نبی کے امتی پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر ایمان لانا جو تھا وہ شرط ایمان تھا اور چونکہ معیت ذات جو تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام میں سے ایک خادم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ اول جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب تھا ان کو۔ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی لئے صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہا گیا ہے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سریرائے خلافت ہوئے تو کسی نے انہیں یا خلیفتہ رسول اللہ کہا تو آپؓ نے فرمایا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے میں امیر المومنین ہوں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہوں وہ شان صرف اس بندے کے لئے ہے۔ اس لئے کہ یہ عظمت غیر انبیاء میں سے صرف ایک ہستی کو نصیب ہوئی ہے اور معیت ذات باری ان کی ذات کا خاصہ تھا۔ کوئی اب کروڑوں الزام لگا دے کوئی انکار کر دے کوئی ان کی نیکی کا ورع تقویٰ کا علم کا شجاعت کا کسی صفت کا بھی لیکن ان کی

دعائے مغفرت

صوبیدار (ریٹائرڈ) محمد نذیر صاحب۔ نتھیہ گلہ ضلع پونچھ کی اہلیہ محترمہ 2 مئی 1994ء وفات پا گئیں۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

"سلسلے کے ساتھی میجر منظور احمد (کوٹلی آزاد کشمیر) کی والدہ مرحومہ انتقال فرما گئیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔"

میجر سرور (کوئٹہ) NLC والے رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

سعودی عرب والے محمد جعفر صاحب کے والد صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے تمام ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

کرنل (ریٹائرڈ) ظفر قریشی ڈائریکٹر چڑیا گھر لاہور کے بڑے بھائی وفات پا گئے ہیں۔ تمام ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

تلاش گمشدہ

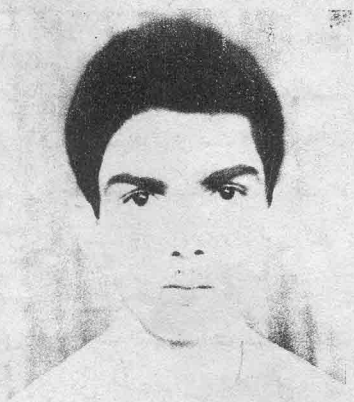

صوبیدار عبدالغفور عابد صاحب کا بیٹا جس کا نام منیر احمد ہے۔

عمر اٹھارہ' انیس سال کے درمیان ہے۔ جولائی ۱۹۹۳ء سے لا پتہ ہے۔ کسی کو اس بارے میں علم ہو یا معلوم ہو سکے۔ مہربانی فرما کر کسی ایک پتے پر اطلاع دے کر مشکور فرمائیں۔

۱۔ صوبیدار عبدالغفور عابد۔ دارالعرفان۔ ڈاکخانہ نور پور۔ ضلع چکوال۔
ڈائریکٹ ٹیلیفون نمبر۔ ۲۷۴۵ - ۰۵۷۶
تلہ گنگ چکوال۔ ۲۷۴۵

۲۔ صوبیدار عبدالغفور عابد۔ مکان نمبر ۱۵۵ / ۳۳۷ - گلی نمبر ۲۔ محلہ غوثیہ آباد۔ پیر محل شہر۔ تحصیل کمالیہ۔ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

ذات کی نفی نہیں تو اسے ماننا پڑے گا کہ ابوبکر ابوبکر تھے اور اس ذات کو معیت ذات باری حاصل ہے صفات کی بات بعد میں آئے گی۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو بنیادی طور پر معیت ذات باری حاصل ہے اس معاملے میں جتنے انبیاء علیہم السلام کو معیت ذات باری نصیب ہوئی وہ وہی رشتہ جو ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو تھا ایمان کا وہ اس کا سبب بنا اور مخلوق جو انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے ان میں سے جس جس کو نصیب ہوتی ہے وساطت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچتی ہے اسی لئے پہلی امتوں میں بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے پر بس نہیں کیا اللہ نے بلکہ والذین معہ کو ساتھ رکھا ہے۔ پہلی امتوں اور پہلی کتابوں میں فرمایا **ذالک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطئہ** یہ **وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ** جو ہے اس کو اللہ نے پہلی کتابوں میں بھی نازل فرما کر پہلی امتوں سے بھی منوایا کہ انبیاء علیہم السلام معیت ذات کا جو استفادہ کرتے ہیں وہ براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہے اور غیر نبی جب مجاہدہ کرتا ہے تو غیر نبی کی ترسیل کا مصدر جو ہے وہ غیر نبی کی ذوات میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور یہی باعث ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کو چونکہ یہ براہ راست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مستفید ہوتا ہے تو یہی سبب ہے کہ ایک آدمی اگر ایک دن ذکر کرتا ہے کسی دوسرے کو ساتھ بٹھا کر کراتا ہے تو اس کے لطائف منور ہو جاتے ہیں اس میں کمال میرا یا آپ کا یا کسی ساتھی کا یا کسی صاحب مجاز کا نہیں ہوتا یہ کمال ہوتا ہے اس چشم صافی کا جس کے ساتھ جوڑنے کا ہم سبب بن جاتے ہیں ہم وہ ایک لنک جسے کہتے ہیں یا واسطہ یا تعلق جو ہے وہ درمیان میں بن جاتے ہیں چونکہ اس کا تعلق ایک ایسے چشم صافی سے جڑتا ہے جس کی ذات کا خاصہ معیت ذاتی ہے اور معیت ذاتی مقصود حیات ہے معیت صفاتی اس دنیا میں کافر کو بھی نصیب رہتی ہے کیا رزق اسے نہیں دیتا صحت اسے نہیں دیتا دنیاوی امور کی ساری نعمتیں اسے نہیں دیتا تو یہ ساری صفات باری کے طفیل حاصل کرتا ہے لیکن وہ وقتی اور لحاتی ہوتی ہے اور وہ منسوب ہوتی ہے رحمانیت باری کی طرف۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ رحمانیت میں عموم ہے اور رحمانیت کا عموم جو ہے وہ دائمی نہیں ہے وہ وقتی ہوتا ہے جیسے عربی میں آپ عطشام کہیں بہت بڑی پیاس لیکن عطشام دائمی نہیں ہوتی کہ ہمیشہ پیاس ہی رہے وہ وقتی صفت ہے اسی لئے علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ رحمانیت کا تعلق دار دنیا سے ہے اور اسی کے طفیل کافر بھی سیراب ہوتا ہے۔ اگر نور ایمان نصیب ہو جائے تو پھر آدمی صرف رحمانیت سے نہیں رحمیت کے بارے آجاتا ہے **اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلرَّحِیْمِ۔** کا وزن یہ ہے کہ یہ صفات دائمی ہوتی ہیں جیسے الحکیم۔ اب حکیم جو ہے دانائی اس کی لحاتی نہیں ہے یا اس کا وہ علم لحاتی نہیں ہے وہ دائمی ہے اس کی ذات کا خاصہ بن جاتا ہے۔ تو الرحیم جو ہے یہ دنیا سے لے کر آخرت تک اور ہمیشہ ہمیشہ تک باقی رہنے والے انعامات عطا کرتا ہے۔ الرحمٰن صفت رحمانیت جو ہے وہ دنیا میں مستفید کرتی ہے لیکن اگر نور ایمان نہ ہو تو پھر موت کے ساتھ اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور آخرت میں جو ظہور ہو گا وہ صرف رحیمیت کا ہو گا رحمانیت کا نہیں ہو گا۔ آپ قیامت کے کسی واقعہ کے ساتھ رب جلیل کی صفت رحمان کو نہیں پڑھیں گے۔ قرآن حکیم میں دنیا کے ساتھ ہو گا اور رحیم کا جو وصف ہے اس کا تعلق دونوں عالم سے ہے۔

تو تجلیات ذات میں سے اگر کوئی حصہ ملتا ہے تو بنیاد اس کی ایمان بنتا ہے مجاہدہ بنتا ہے کسب بنتا ہے کسب پر بھی ثمرات وہبی ہوتے ہیں کسب کی حد تک آدمی مکلف ہوتا ہے لیکن کسب میں بھی جو ثمرات ہوتے ہیں وہ وہبی ہوتے ہیں وہ من جانب اللہ ہوتے ہیں تو جو ثمر عطا ہوتا ہے یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے یہ فرق ہے معیت ذاتی اور معیت

صفاتی میں اس میں کوئی تھوڑی سی اور بھی تفصیل جو ہے وہ اس مضمون میں ہے اگر آپ بہتر سمجھیں پچھلے المرشد نکال لیں۔

کیونکہ المرشد ایسا کتابچہ ہے کہ یہ پرانا نہیں ہوتا اس میں وہ موضوع زیر بحث نہیں لائے جاتے جو وقتی یا لمحاتی ہوں جو زمانہ بدلنے کے ساتھ بدل جائیں بلکہ یہ نیا ہو یا پرانا اس کی ساری معلومات ہمیشہ تازہ رہتی ہیں کیونکہ یہ سارا موضوع ایسے کے متعلق ہے اس میں کوئی فرسودگی یا پرانا پن نہیں ہوتا۔ تو یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس کی ابتدا ہی جو ہے پہلا قدم ہی جو ہے وہ معیت ذاتی کے حصول کی طرف ہے معیت صفاتی کے حصول کے ساتھ کیونکہ انسان ہر حال معیت صفاتی کا بھی اور معیت ذاتی کا بھی محتاج ہے اور معیت ذات کی بنیاد ایمان اور کردار اور عمل صالح پر ہے اور معیت ذات جو ہے اس کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ کوئی معیت صفات کی کوئی انتہا ہے اسی لئے ابدالاباد ترقی نصیب ہوتی رہتی ہے اگر ایک کسی مراقبے میں کوئی صوفی رہ گیا اور وہاں تک ہی چل سکا تو اس کا یہ مطلب نہیں تو مطلب یہ ہے کہ دوسرے مراقبات کی طرف وہ نہیں گیا لیکن اس مراقبے اس منزل کے اندر اندر ہمیشہ ہمیشہ۔

پیدائشی طور پر ساری کائنات سے افضل تخلیق فرمائے گئے اس کے باوجود ہر لمحہ ہر آن آپ کے درجات میں بلندی ہوتی ہے کیونکہ قرب الٰہی کی انتہا نہیں ہے اور ہوتی رہتی نہیں ہے ہوتی رہے گی ابدالاباد کوئی ایسا کنارہ نہیں آ جاتا کہ بس اب اللہ کریم یہاں بیٹھا ہے اور ہم سامنے آگے بات ختم ہو گئی ایسا کوئی نہیں آتا آپ دیکھ لیجئے کہ بعثت سے لے کر وصال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک لمحے کے مجاہدے کو دیکھئے اور اس پر ثمرات کا اندازہ انسان نہیں کر سکتا کہ کتنی ترقیاں کتنی ترقی درجات نصیب ہوئی وصال سے لے کر میدان حشر تک دنیا میں جہاں کوئی شخص کوئی نیکی کرتا ہے وہ چھوٹی یا بڑی اس کا جتنا ثواب وہ پاتا ہے اتنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ہے کہ وہ نیکی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی یہ وہ معیار ہے جو قرآن نے ارشاد فرما دیا کہ آپ دیکھ لیجئے کہ اللہ اللہ کتنی ہوتی ہے عبادت کتنی ہوتی ہے نیکی کتنی ہوتی ہے تبلیغ کتنی ہوتی ہے یہ سارا کچھ تلاوت کتنی ہوتی ہے یہ دنیا میں جہاں کہیں کوئی فرد بشر جو کرتا ہے اس نے کہاں سے حاصل کیا اسی طرح جو درمیانی وسائل بنتے ہیں علماء صوفیاء صلحاء اپنے اپنے درجے کے مطابق وہ سارے جس طرح سارے کے سارے دین کو پھیلانے کا تمام نیکیوں سے حصہ صحابہ کرام کو وصول پاتے ہیں اسی طرح تابعین تبع تابعین حتی کہ آنے والے ہر اس آدمی تک جو کسی کو ایک جملہ دین کا سکھاتا ہے جب تک اس جملے پر اس کی وساطت سے رہنے ولا شخص یا آگے وہ جن جن کو بتائے گا یا جہاں تک وہ عمل کرتے جائیں گے ہمیشہ ہمیشہ اس کا حصہ ساتھ چلتا جائے گا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تو **ان اللہ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ** ہر آن اللہ رحمتیں نازل فرماتا رہتا ہے اللہ کے فرشتے رحمتیں طلب کرتے رہتے ہیں مومنوں کو رحمتیں طلب کرنے کا حکم تو وہ ایک دوسرا موضوع ہے درجات کا ہمیشہ درجات بڑھتے رہیں میدان حشر میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترقی نصیب ہو گی۔ حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ آدم علیہ السلام کے پاس یہ درخواست لے کر جائیں گے کہ آپ علیہ السلام دعا کر دیجئے ہمارا حساب تو ہو۔ یہ روز حشر جو ہے اس سے تو نکلیں اس کی جو پریشانی ہے اس کی جو تکلیف ہے اس کی جو شدت ہے یہ تو ختم ہو چلو کون بخشا جائے گا کون پکڑا جائے گا لیکن یہ حشر کا جو ہے وقت یہ تو ختم ہو اس نے جلا کر رکھ دیا یہ تو ختم ہو آگے چلیں گے آگے چلیں گے مختلف الو العزم رسولوں کے پاس ہوتے ہوئے سب سے آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے سب یہی مشورہ دیں گے کہ آگے چلو آگے چلو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں سر سجود ہو جاؤں گا اور اللہ مجھے اپنے کلمات دعائیہ

تعلیم فرمائیں گے جو اس سے پہلے میں نہیں جانتا تھا۔ یہی ترقی ہے کہ عین عرصہ محشر میں مزید کچھ ایسی چیزیں عطا ہو رہی ہیں جو اس سے پہلے نہیں تھیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس وقت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی درجات اور قرب الٰہی کی منازل کی بلندی کا معاملہ اس وقت بھی ہو رہا ہے اور جنت کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ جو بھی جنت میں داخل ہو گا اس کا آنے والا ہر لمحہ پہلے لمحے سے بہتر ہو گا ہر شعبہ زندگی میں ترقی نصیب ہوتی رہے گی۔ حتی کہ اگر ایک ہی پلیٹ سے آدمی کھا رہا ہے تو پہلے لقمے میں جو لطف ہو گا دوسرے میں اس سے زیادہ ہو گا ایک ہی پھل کھا رہا ہے تو پہلے جو ڈلی کھائی اس میں جو لطف ہو گا دوسری میں اس سے زیادہ اس پھل میں ترقی ہمیشہ بڑھتی رہے گی ایک لباس یہاں ہم پہنتے ہیں تو یہ ہر آن میلا ہوتا رہتا ہے جنت میں جو وہ پہنیں گے جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس کی روشنی اس کی صفائی اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا فرسودہ نہیں ہو گا بلکہ اس میں ترقی ہوتی جائے گی یہاں ہم مکان بناتے ہیں وہ پرانا ہوتا جاتا ہے وہاں جس کو جو نصیب ہو گا وہ ہر گزرنے والے لمحے کے ساتھ مضبوط اور خوبصورت ہوتا جائے گا یہ اسی طرح کے معاملات چلیں گے تو یہ دنیا میں ایک چھوٹا سا چھوٹا سا ایک تل بھر حصہ رکھ دیا بندے کا اللہ کریم نے اور وہ ہے اس کا فیصلہ۔ جتنا مضبوط فیصلہ ہوتا ہے اتنی عطا اس پر زیادہ ہوتی جاتی ہے ترقی درجات بڑھتی جاتی ہے جتنی اس فیصلے میں کمزوری یا شبہ آتا ہے شک نہیں شک تو بہت بڑی دراڑ ہوتی ہے جو تباہ کر دیتا ہے شبہ ادنیٰ سا شبہ کھٹ کھٹ چھوٹی سی اتنا وہ اس نعمت کو کمزور کر دیتا ہے اسی لئے ارشاد ہوا

ذالک الکتٰب لا ریب فیہ یعنی کسی ادنیٰ سے شے کی بھی گنجائش نہیں اگر وہ شبہ درمیان میں آ گیا تو وہ عطائے الٰہی کی کمی کا سبب بن جائے گا عطائے الٰہی سے محرومی کا سبب بن جائے گا انسانی کردار کے اعتبار سے یہ جو بار بار کی حاضری ہے بارگاہ الوہیت کی اور یہ سجدے اور یہ رکوع اور یہ ایک ہی دعا کو بار بار دہرائے جانا اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ وہ کیفیت نصیب ہوتی رہے قرب کا وہ حال نصیب ہوتا رہے کہ عطائے باری کی نسبت بندے کو شبہات نہ آئیں اور قریب سے قریب تر ہوتا چلا جائے اسے بار بار سورج دکھا دیا جائے کہ وہ کہیں تنہا بیٹھ کر یہ نہ سوچنے لگے کہ پتہ نہیں سورج ہے کہ نہیں تو یہ جو قوت فیصلہ ہے یہ اللہ نے بندے کی طرف کر دی۔

یھدی الیہ من ینیب۔ الذین جٰھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ یعنی جو کوشش کرتا ہے جو فیصلہ کر لیتا ہے جو جتنا مضبوط فیصلہ کرتا ہے اتنی بڑی عطا کو پالیتا ہے اور یہ ہے موت تک **واعبد ربک حتی یا تیک الیقین۔** موت کی دہلیز پر پہنچ کر اگر کسی نے کہہ دیا کہ میرا پتہ نہیں آخرت ہے بھی کہ نہیں تو گر جائے گی ساری عمارت دنیا کا سارا کچھ گیا حاصل کردہ۔ ساری عمارت ڈھیہ گئی اس ایک اس نقطے کی کمزوری سے۔ لیکن اگر دنیا سے وہ اپنے ایمان کی جتنی طاقت جتنی مضبوطی کو لے گیا اتنے درجات آخرت اور اتنی معیت ذات اور اتنا قرب الٰہی حاصل کر گیا۔ بہرحال یہ زندگی بھر کے کہنے اور سننے کی باتیں ہیں یہ لمحوں میں نہیں سمجھ سکتے اور اتنے پہلو ہیں کہ آدمی انہیں شمار نہیں کر سکتا۔ اس مجلس میں ممکن حد تک میں نے کوشش کی ہے کہ سمجھ آ جائے لیکن بات اصل وہی ہے ایک دن پہلے بھی میں نے ساتھیوں سے کہا تھا۔

کہ ہمیں جانا تھا ڈیرہ اسماعیل خان براستہ بھکر تو ہم فیصل آباد سے نکلے کرنل سرور کار ڈرائیو کر رہے تھے میں ساتھ بیٹھا تھا تو جھنگ تک تو ایک ہی سڑک ہے دریا کے اس پار تک تو اکیلی سڑک پہنچاتی ہے تو جا رہی ہوتی ہے فیصل آباد سے جھنگ آتی ہے آگے شور کوٹ نکل کر جب تریمو ہیڈ کو کراس کرتے ہیں وہاں آ کر آگے سڑکیں تین چار تقسیم ہو جاتی ہیں ایک مظفر گڑھ جاتی ہے ایک جوہر آباد آتی ہے کوئی اور مقامی سڑکیں نکلتی ہیں ایک جو ہے وہ بھکر جاتی ہے تو علاقہ بھی اجاڑ سا ہے کبھی بورڈ ہوتے ہیں کبھی

نہیں ہوتے کبھی سڑک بھی غائب ہوتی ہے ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہے کبھی پھر بنی ہوئی ہوتی ہے وہاں یہ دس بارہ میل کا ٹکڑا دریا کے کنارے ہے کبھی پانی چڑھا کبھی کچھ ہوا اوٹ پٹانگ قسم کی دکانیں بھی ہیں وہاں وہ لکڑی کے کھوکھے زیادہ ہیں اور مستقل دکانیں کم ہیں تو ان کا اعتبار نہیں ہوتا ادھر والا کھوکھا اٹھا کے رکھ لیتا ہے ادھر والا ادھر شفٹ ہو جاتا ہے تو جب کبھی بھی آدمی گزرے تو وہ جو صورت حال پہلے کچھ کی ہوتی ہے وہ دوسری دفعہ بدلی ہوئی ہوتی ہے تو میں نے سرور سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ جو سپاہی کھڑا ہے پل پر پہرہ دے رہا ہے اس سے پوچھ لیا جائے کہ بھکر کونسی سڑک جائے گی بجائے اس کے کہ ہم کسی اور سڑک پر نکل جائیں اور پانچ دس میل چل کر پھر پتہ چلے تو انہوں نے گاڑی روکی اس سے پوچھا اس نے بڑی مزے دار بات کہی جھنگ کا رہنے والا تھا۔ جھنگ کی زبان میں اس نے بات کی کہنے لگا صاحب "جس راہے پہ گیاں ناں اس راہے گھو کائی جا۔ سچے کھبے نہ مڑیں آپے بھکر آ جائے گا۔" کیونکہ باقی ساری سڑکیں بائی ہوتی ہیں نا وہاں تو اس نے بڑی پتے کی بات کی وہ کہنے لگا جس راہے پہ گیاں ناں جس راہ اس راہ گھوکائی جا۔

بات سیدھی سی ہے اللہ کریم نے آپ کو راستے پہ ڈال دیا تو گھوکائی جاؤ بھائی اللہ عطا کرنے والا ہے۔

سوال۔ سوال ہے کہ مراقبات میں سالک اللہ کریم کی مختلف صفات کا تصور یا خیال دل میں رکھ کر بیٹھتا ہے یہ اس کے قلب میں راسخ کرنا مقصود ہوتا ہے مثلاً" احدیت میں توحید یا معیت میں معیت باری وغیرہ مندرجہ ذیل مراقبات میں یہ تصور کیا ہو گا دوائر ثلاثہ یا مراقبہ اسم ظاہر و باطن یا بقا باللہ۔

جواب۔ مراقبات سے حاصل ہونے والے اوصاف اور مراقبات کی کیفیت اور عملی زندگی سے ان کا تعلق تصوف اور تعمیر سیرت میں لکھا گیا ہے جو چیزیں لکھی ہوتی آپ کے پاس ہیں انہیں آپ خود مطالعہ کریں لے لیجئے اور پڑھ لیجئے۔ پھر اس میں کوئی اشتباہ باقی بچے تو سوال کیجئے۔ لائبریری میں موجود ہو گی تصوف اور تعمیر سیرت۔ اس میں زندگی کی عملی صورت کے ساتھ مراقبات کا رابطہ جو ہے وہ لکھا ہوا ہے۔

سوال۔ یہ اگلا سوال ہے کہ کسی صحابی سے لطائف کے متعلق کوئی ارشاد نہیں منقول اس قدر ضروری چیز کا کسی حدیث میں ذکر ہے۔ قرآن حدیث سے صرف قلب کے متعلق آتا ہے۔

جواب۔ آپ کی نظر ضرور گزری ہو گی کہ بعض اکابر صحابہ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض ناپسندیدہ کیفیات کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اللہ اللہ فرمایا بلکہ ان کے سینے پر دست اقدس بھی پھیرا تو یہ عام روایات حدیث میں موجود ہیں اکثر صحابہ سے تو سینے اطہر پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ بلکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ پھیرا تو میں نے کوئی سیاہی سے نکلتی ہوئی یا نکل کر جاتی ہوئی دیکھی تو سینے اطہر پر سینے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک پھیرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ سینے میں بنیاد ان چیزوں کی ہے۔ قرآن حکیم ہم نے سارا صحابہ سے لیا لیکن کسی بھی صحابی سے نہ صرف و نحو کی کوئی نقل ملتی ہے نہ کوئی مدرسے میں حفظ کرنے جاتا ہے نہ مروجہ سکول ملتے ہیں ساری حدیث ہم نے صحابہ سے لی لیکن کسی صحابی نے بخاری شریف کا نام نہیں لیا کوئی صحابی صحاح ستہ کی کسی کتاب کو نہیں جانتا تو اس کا کیا مطلب ہو گا کہ یہ سارا فضول ہو جائے گا۔ صحابہ کو ساری چیز بیک نگاہ ملی۔ حدیث انہوں نے براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اب آپ کو کتنے صحابی ملیں گے جنہیں ابجد نہیں آتی کتنے صحابہ ملیں گے جنہیں ایک جملہ پڑھنا نہیں آتا جملہ لکھنا نہیں آتا لیکن سارے کا سارا علم آپ انہیں سے لیتے ہیں تو صحابہ کو جو کیفیات ملیں ان میں ابجد کی ضرورت نہیں تھی قرآن انہیں ملا تو اللہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست ان کو نصیب ہوا۔ حدیث انہوں نے کسی کتاب سے نہیں پڑھی صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی اور ان کے آگے جو انہوں نے بیان کی ان سے اگلوں نے جو بیان کی پھر ان سے اگلوں نے جو بیان کی پھر جا کر کتابیں بنیں تو یہی حال کیفیات کا ہے ان میں بھی صرف و نحو ابجد اور کتابیں جو ہیں یہ ہماری ضرورت کے لئے بنیں انہیں یہ ساری چیزیں براہ راست مل گئی تھیں انہوں نے ایک ایک لطیفہ نہیں کیا تھا بلکہ بیک نگاہ ان کا بدن کا ہر خلیہ ذاکر ہو گیا تھا۔

جہاں تک ان کا سینوں میں ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینے پر ہاتھ پھیر دینا ہی بہت بڑی دلیل ہے۔

سوال۔ اور دوسرا سوال بھی اس کی جزو ہے کہ کسی صحابی نے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منازل سلوک کا تعین نہیں فرمایا؟

جواب۔ تو جنہوں نے منازل سلوک کا تعین فرمایا ہے تو انہوں نے صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی فرمایا ہے اور پوری امت کے چودہ صدیوں میں سب سے نیک سب سے ورع و تقویٰ کے حامل سب سے امانت دار سب سے دیانت دار سب سے چنے ہوئے افراد آپ کو ملیں گے تو وہی ملیں گے جو اس فن میں موجود ہیں۔ چودہ سو سال کے منتخب افراد پوری امت کا نچوڑ اگر آپ کو ملیں گے تو وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے منازل سلوک کا تعین فرمایا۔

ہماں شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند

اور جو کچھ انہوں نے اخذ کیا وہ وہیں سے کیا اب منازل سلوک کا تعلق ایک آدمی یہاں سے جہاز پر بیٹھتا ہے اور مکہ مکرمہ جا کر اتر جاتا ہے تو اسے کیا ضرورت ہے کہ بتائے کہ راستے میں لاہور بھی تھا کراچی بھی تھا فلاں بھی تھا فلاں بھی تھا یہ تو جو پیدل گھسٹتا پٹتا جائے گا وہ بتاتا جائے گا تو صحابہ کو تو یہ سارے منازل اور ان سے بھی آگے ان کی کیفیت ہی صحابیت کی کیفیت بیک نگاہ نصیب ہو گئی جو ساری زندگی سارے منازل سلوک کرتا رہے تو صحابی کی جوتی کی خاک کو نہیں پہنچ سکتا صحابیت کی پرچھائیں کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے دو باتوں کو ضرور دیکھنا چاہئے ایک یہ کہ یہ چیز جن سے نقل ہوتی ہے کیا وہ لوگ دین دار عقائد کے پکے عمل کے کھرے لوگ ہیں دوسری بات یہ کہ کیا یہ بات ہماری زندگی میں بھی مثبت تبدیلی لاتی ہے اور اس سے ہمیں خشوع و خضوع اور اطاعت الٰہی کا جذبہ نصیب ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں جتنی منازل سلوک اور ان سلاسل میں موجود ہیں ان سے باہر کوئی نہیں اور جن لوگوں نے یہ ساری چیزیں نقل کیں انہوں نے صحابہ ہی سے کیں۔ منصور حلاج کے متعلق علمائے ظواہر اختلاف کا ہونا تعجب کی بات نہیں بڑے بڑے صوفیاء بھی ان کی سخت مذمت کرتے ہیں۔

میرے خیال میں بنیادی بات تو یہ ہے کہ ہمارا یہ موضوع ہی نہیں ہے کہ یہ منصور حلاج کیسے آدمی تھے اس لئے کہ قرآن کریم کا ایک بہت بڑا خوبصورت فیصلہ ہے کہ گزرنے والے لوگ گزر چکے ان کا معاملہ رب کریم کے ساتھ ہے۔ پھر وہ ہمارے سلسلے میں نہیں آتے ہم ان سے کچھ لیتے نہیں ہم ان کو کچھ دیتے نہیں ہمارا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے اگر وہ اچھے تھے تو بھی ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں اگر نہیں تھے تو بھی ہمارا یہ موضوع نہیں ہے۔ جہاں تک اختلاف کا تعلق ہے تو صوفیاء میں بھی اختلاف کا ہونا کوئی عجیب بات نہیں کسی بھی صوفی کا جو کشف ہوتا ہے وہ کوئی حتمی بات نبی کے کشف کی طرح نہیں ہوتی اور کشف میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ولی کا کشف تعبیر کا محتاج ہوتا ہے تشریح کا محتاج ہوتا ہے تعبیر کرتے ہوئے کبھی غلطی لگ جاتی ہے پھر کشف میں کبھی اپنا جو آدمی ذاتی نظریہ کسی چیز کے متعلق ہوتا ہے کبھی وہ مشکل ہو جاتا ہے اس کی اپنی رائے اس کے اپنے نفس کے خیالات جو ہیں وہ سامنے آجاتے ہیں تو اس میں اختلاف کا ہونا بھی کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

اصل میں ذکر الٰہی سے جو بہت بڑی نعمت حاصل ہوتی ہے اور جسے حقیقی کشف کہنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جو مسائل شرعی اور احکام شریعت ہیں ان سے جو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ محسوس ہونے لگ جاتی ہیں۔ اگر کشف نہ ہو تو ان پہ جو یقین ہوتا ہے وہ سن کر یقین ہوتا ہے اور اللہ کریم یہ نعمت دے دیں تو وہی یقین علم الیقین میں بدل جاتا ہے۔ محسوس کر کے آدمی یقین دلاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں ہیں کہ صاحب قبر کا قبر میں کیا حال ہے یا برزخ میں کسی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ معاملات اللہ کریم کے اپنے ہیں اور انہیں سمجھنے میں غلطی بھی لگ سکتی ہے صحیح بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا کوئی حتمی فیصلہ ان میں ہونا کہ ہر آدمی ایک ہی سا دیکھے یہ ممکن نہیں ہے نہ اس کی ضرورت ہے۔ صوفیاء میں بھی بہت سے لوگ ان کو اچھا نہیں سمجھتے اور بہت سے محققین جو ہیں وہ ان کو مجذوب خیال فرماتے ہیں۔

حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ سے بات ہو رہی تھی تو میرے سامنے آپ نے یہ فرمایا تھا یہ اسے فنا بقا تک مراقبات کرائے گئے آدمی صاحب استعداد تھا ساری زندگی اس نے محنت کی مجاہدہ کیا اور اس کی جو پوری لائف ہسٹری ہے اس میں وہ موجود ہے کہ وہ ساری زندگی گزارے کے مطابق کام کر کے باقی وقت سارا اللہ اللہ میں صرف کرتا تھا حالانکہ اس کا باپ بڑا اچھا تاجر تھا اس سے بھی اس کا جھگڑا رہتا تھا کہ تجارت کو پھیلاتے کیوں نہیں۔ وسیع پیمانے پر کیوں نہیں کرتے لیکن وہ ایک آدھ کام کر کے جب دال روٹی ہو جاتی تو بے فکر ہو جاتا اللہ اللہ کرتا رہتا۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بقا باللہ سے آگے لے جانے والا کوئی شخص اسے ملا نہیں اور ایک جگہ کھڑے کھڑے پاگل ہو گیا اور یہ ہو جاتا ہے آدمی مجذوب ہو جاتا ہے۔ دماغ کی جو باریک نسیں ہیں وہ پھٹ جاتی ہیں اور وہ آدمی پاگل ہو جاتا ہے وہ اس قابل ہی نہیں رہتا کہ اس کا محاسبہ کیا جائے دنیوی اعتبار سے اس طرح سے بالکل پاگل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو علی شقیق بلخیؒ

خدا کی رضا چار چیزوں پر مشتمل ہے۔

اول: روزی کی جانب سے سکون حاصل رہنا۔

دوم: خلوص سے پیش آنا۔

سوم: ابلیس کو دشمن تصور کرنا۔

چہارم: توشۂ آخرت جمع کرنا۔

ایک مرتبہ بلخ میں قحط سالی ہوئی حضرت ابو علی شقیق بلخی نے بازار میں ایک غلام کو بہت خوش دیکھ کر کہا کہ لوگ تو قحط سے برباد ہو گئے اور تو اسقدر خوش نظر آتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے آقا کے یہاں بہت غلہ موجود ہے اور وہ مجھے کبھی بھوکا نہیں رکھے گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ کہ جب ایک غلام کو اپنے آقا پر اس قدر اعتماد ہے تو تیری ذات پر میں کیوں نہ اعتماد کروں جبکہ تو مالک الملک ہے۔

حضرت احمد بن حنبلؒ ایک مرتبہ دریا کے کنارے وضو فرما رہے تھے۔ ایک شخص ان سے ذرا بلند جگہ پہ بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ لیکن آپ کو دیکھ کر تعظیماً نیچے آ گیا۔ جب وہ شخص انتقال کر گیا تو کسی عزیز نے اسے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس تعظیم کی وجہ سے جو میں نے حضرت امام حنبلؒ کی وضو کرتے وقت کی تھی مغفرت فرما دی۔

اللہ عابدین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور گناہ گاروں کو زندگی ہی میں مردہ بنا دیتا ہے۔

اس بات کا یقین رکھئے کہ آپ کے رزق میں آپ کا کوئی حصہ دار نہیں بن سکتا۔

صقارہ کالج لاہور
تعارف

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آج کے مادہ پرستی کے دور میں معاشرے کے موجودہ تنزل پذیر حالات اور بہت سے تعلیمی اداروں کے کاروباری ماحول میں صقارہ نظام تعلیم یقیناً" ہوا کا ایک تازہ جھونکا ہے۔ یہ ایک مخلصانہ کاوش ہے کہ جدید علوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی تعلیم کو یوں ہم آہنگ کیا جائے کہ فارغ التحصیل طلباء علمی۔ جسمانی اور روحانی تربیت کے اعتبار سے نمایاں حیثیت کے حامل ہوں۔ ہم طلباء کو معاشرہ اور موجودہ تعلیمی ماحول کے منفی اثرات سے بچانا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد ہے کہ ہمارے فارغ التحصیل طلباء تعلیمی ڈگری کے ساتھ ساتھ ضروری دینی تعلیم سے بھی مزین روشن خیال مسلمان اور محب وطن پاکستانی ہوں۔ جو کہ زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کریں۔

صقارہ کالج لاہور 1990ء سے اسی مقصد کے تحت ایک مشنری جذبہ کے ساتھ قوم کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ سر انجام دے رہا ہے۔ الحمدللہ یہ کالج رجسٹرڈ اور لاہور بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی سے الحاق شدہ ہے۔

آپ سے استدعا ہے کہ آپ بھی ان مقاصد کے حصول میں تعاون فرمائیں اور اپنے اور اپنے عزیزوں و دوستوں کے بچوں کو صقارہ کالج میں داخل کروائیں۔ ہمارے ہاں فرسٹ ایئر (آرٹس و سائنس) اور تھرڈ ایئر (آرٹس و جنرل سائنس) میں داخلہ ہو گا۔ آپ کے مطالعہ کے لئے کالج کے بارے میں ایک تعارفی خاکہ دیا جا رہا ہے۔

نام

لغت میں عربیہ کے مطابق "صقر" شاہین کو کہتے ہیں۔ اور صقارہ اس کی جمع ہے گویا صقارہ کالج اقبال" کے شاہینوں کا مسکن ہے۔

پس منظر

صقارہ نظام تعلیم کے پہلے ادارہ "صقارہ اکادمی" منارہ ضلع چکوال کا افتتاح س وقت کے صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے ہاتھوں 19 جنوری 1987ء کو ہوا اور یکم ستمبر 1990ء کو ملک کے نامور عالم' روحانی پیشوا' دانشور' مصنف اور انجمن دارالعرفان کے سربراہ جناب ملک محمد اکرم اعوان نے صقارہ کالج لاہور کا افتتاح فرمایا۔ 1992ء سے سال سوم (بی۔ اے) کی کلاسز کا اجراء ہوا۔

مقصد قیام

صقارہ کالج کا مقصد صقارہ نظام تعلیم کی اس طرح عملی ترویج ہے کہ فارغ التحصیل طلباء تعلیمی ڈگری کے ساتھ دینی تعلیم سے بھی مزین' روشن خیال مسلمان اور محب وطن پاکستانی ہوں۔ جو زندگی کے مختلف شعبوں میں مثالی منتظم' ڈاکٹر' انجینئر' سپاہی اور سب سے بڑھ کر اچھے اور مفید شہری ہوں۔

فیکلٹی

تمام مضامین کے لئے کوالیفائیڈ، تجربہ کار اور باصلاحیت اساتذہ موجود ہیں۔

عمارت

موجودہ عمارت ادارہ کی اپنی ملکیت ہے، نئی وسیع اور شاندار عمارت پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے تعاون سے زیر تکمیل ہے۔ **اویسیہ** ہاؤسنگ سوسائٹی کے اندر کالج کا کشادہ کیمپس ہے جس میں ہاسٹل کی علیحدہ کشادہ اور آرام دہ عمارت بھی واقع ہے۔

امتیازی خصوصیات

- عقارہ کالج ایک غیر کاروباری (نان کمرشل) فلاحی ادارے انجمن دارالعرفان کی سرپرستی اور **اویسیہ** کو آپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ مالی منفعت مقصد قیام نہیں۔
- کالج کے قیام کے ساتھ ہی اقامتی سہولتوں کا اہتمام ترجیحی بنیادوں پر کیا گیا ہے۔ تاکہ ہوسٹل میں قیام پذیر طلباء کو ایک پاکیزہ اور صحت مند ماحول مہیا کیا جا سکے۔ جس میں قابل اساتذہ کی زیر نگرانی تعلیمی مشاغل جسمانی تربیت اور شعائر اسلام کی پابندی کا اہتمام کیا جائے۔
- خصوصی دینی تعلیم اور اسلامی تعلیمات پر مبنی کردار سازی کا اہتمام۔
- شہر سے باہر کھلی، اور صاف ستھری اور آلودگی سے پاک فضا۔
- پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے منصوبوں میں سے ایک اہم منصوبہ۔
- اعلیٰ سطحی اقوام متحدہ کے تعلیمی شعبہ کی معائنہ ٹیم کا فروری 1992ء کا کالج کے معائنہ کے بعد خراج تحسین۔
- زمانہ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کمپیوٹر کی لازمی تعلیم۔
- جسمانی تربیت میں مارشل آرٹس کی ترویج۔
- ہر قسم کے سیاسی و نیم سیاسی مشاغل سے احتراز
- لاہور بورڈ کے نصاب کے مطابق ملٹری سائنس کے مضمون کی تعلیم۔
- NCC کی لازمی فوجی تربیت۔
- آرمڈ فورسز میں کمیشن اور دوسرے مقابلے کے امتحانات کے لئے خصوصی رہنمائی۔

تعلیمی نصاب

- **آرٹس گروپ**
- **ڈگری کلاسز۔** لازمی مضامین کے علاوہ شماریات۔ معاشیات، عربی، تاریخ، اسلامیات اور سیاسیات
- **انٹرمیڈیٹ۔** لازمی مضامین کے علاوہ معاشیات، اسلامیات، عربی، شماریات تاریخ، شہریت اور ملٹری سائنس
- **جنرل سائنس گروپ۔**
- **ڈگری کلاسز۔** لازمی مضامین کے علاوہ حساب (جنرل) شماریات معاشیات
- **انٹر میڈیٹ۔** لازمی مضامین کے علاوہ حساب، شماریات اور معاشیات
- **سائنس گروپ (انٹرمیڈیٹ)**

پری انجینئرنگ۔ حساب، طبیعات، کیمیا

پری میڈیکل۔ حیاتیات طبیعات، کیمیا

گوشوارہ اخراجات (واجبات بوقت داخلہ)

انٹرمیڈیٹ (آرٹس)

	غیر اقامتی	اقامتی
1- ٹیوشن فیس ماہانہ	400 روپے	400 روپے
(لاگو عرصہ کے لئے)		
2- اخراجات طعام و قیام		1000 روپے ماہانہ
3- رجسٹریشن فیس	125.00 روپے	125 روپے
4- داخلہ فیس	500.00 روپے	500 روپے
5- بلڈنگ فنڈ	1000.00 روپے	2000 روپے
ضمانت (قابل واپسی)	500.00 روپے	1000 روپے
7- فیس امتحانات	300.00 روپے	300 روپے
8- لازمی کمپیوٹر کورس فیس	1500.00 روپے	1500 روپے
9- متفرق فنڈز (ایک ماہ)	100.00 روپے	100 روپے

انٹرمیڈیٹ سائنس (پری انجینئرنگ و پری میڈیکل)
بی اے، بی ایس سی (جنرل سائنس)

1- ٹیوشن فیس	450 روپے ماہانہ	450 روپے ماہانہ
(لاگو عرصہ کے لئے)		
2- سائنس فنڈ	50 روپے	50 روپے
3- بقیہ تمام واجبات اوپر دیئے ہوئے گوشوارے کے مطابق ہیں۔		
4- رجسٹریشن	250.00 روپے	250 روپے
5- کمپیوٹر کورس فیس	2000.00 روپے	2000 روپے

داخلہ کے بعد باقاعدہ ماہانہ اخراجات

1- ماہانہ ٹیوشن فیس

(اوپر دیئے گئے گوشوارے کے مطابق)

2- اخراجات قیام طعام ___ 1000 روپے

	غیر اقامتی	اقامتی
3- متفرق فنڈز		
میڈیکل، سپورٹس، لائبریری، ویلفیئر اور ٹرانسپورٹ وغیرہ		
	100 روپے	100 روپے

محل وقوع

1- اکبر چوک ٹاؤن شپ لاہور سے کالج روڈ پر چار کلو میٹر کے فاصلے پر اویسیہ چوک (غازی چوک) اور اللہ والی ٹینکی کے ساتھ اویسیہ ہاؤسنگ سوسائٹی میں واقع ہے۔

2- ویگن نمبر 4 کے آخری سٹاپ باگڑیاں چوک سے پہلے مسلم چوک سٹاپ سے 400 میٹر مغرب کی جانب۔

نوٹ۔ داخلہ کے خواہش مند طلباء، جو میٹرک کا امتحان دے چکے ہوں۔ فوری طور پر سادہ کاغذ پر بمعہ جوابی لفافہ درخواست ارسال کریں۔

پرنسپل صقارہ کالج

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محمد اکرم تمغہ بسالت

اے۔ ایف ڈبلیو سی، پی ایس سی

بی اے (آنرز) ایم۔ ایس سی

لاہور

رابطہ کے لئے 842998

5114128

5111758

تین چیزیں انسان کے لیے مہلک ہیں۔

- اول: توبہ کی امید پر گناہ کا ارتکاب۔
- دوم: زندگی کی امید پر توبہ کرنا۔
- سوم: رحمت الٰہی سے مایوس ہونا۔